پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں ——— سو بار ہوئی حضرتِ انساں کی قبا چاک

تاریخِ امم کا یہ پیامِ ازلی ہے
صاحب نظراں نشۂ قوت ہے خطرناک
اس سیلِ سبک سیر و زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک
(اقبال)

"زندگی کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ ہر بات کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جائے"

"حق کی تلاش، انصاف پسندی اور خدا شناسی کی کوشش اس ملک میں ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے"

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

۲۸، ۲۹ اور ۳۰ دسمبر ۱۹۷۴ء کو الٰہ آباد سے ایک نئے تجربے کا آغاز ہوا۔ ملک کی دن بدن بگڑتی ہوئی صورت حال اور انسانی اور اخلاقی قدروں کی پامالی سے متاثر ہو کر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) نے بلا تفریق ملت و مذہب ہر طبقہ سے رابطہ اور خطاب کی مہم اس شہر سے شروع فرمائی۔ اس [illegible]

[illegible]

Regd. No. L 1981 FORTNIGHTLY Phone: 22946

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow (India)

آو ازپھیل رہی ہے ....

"تعمیر حیات" ... کے اداریہ کا انگریزی ترجمہ ... نے شائع کیا ... [illegible]

Shameful Traditions In Educational Institutions Must Go

ADHERENCE to the harmful traditions and their transmission to posterity with added mischief may be worthy of any uncivilised and tribal society, but if this mentality survives and grows in an educational institution, it is extremely regrettable.

It becomes more so if the institution is also prefixed with the word "Muslim" and whose founder may have dedicated it for the promotion of Islamic teaching, moral values and contemporary knowledge.

The tradition we are referring to in these lines should have attracted the attention of our social reformers, religious leaders, intellectuals, and educationists much earlier. But when we see that there is still no effective move in this direction, we felt compelled to write on it.

In some of the educational institutions in Northern India, in the beginning of the academic session, the newly-admitted students are exposed to such a harassment in the name of "introduction" that no civilised person can even hear the details of it. Whatever may be the noble intentions of the originators of this tradition, it has released very unhealthy trends.

The Muslim University, Aligarh is a distinguished institution in respect of its educational standard and discipline among the students. If it could have welcomed the students, who leave their homes and families to acquire knowledge, with sympathy and understanding, which are great Islamic virtues, it would have been not only befitting to its history and objectives, but also would have set an example worthy of emulation.

But it is pity that the newly admitted students are made target of humiliation and persecution by their own seniors—nay brothers for months together. We are at a loss to understand the healthy aspects of the shameful tradition in which students are compelled to utter abuses and are forced to dance.

Even the students who seek admission in the university after completing their studies in religious educational institutions are not spared of this unsocial tradition. This inhuman treatment is meted out to those freshers who deserve love and brotherly treatment.

We have addressed Muslim University in these lines because the majority of its students and members of staff is not only Muslim but also takes Islam to be a complete code of life and also wants to see it prevail in society. There is a good number of students and members of staff who has engaged itself in the reformist and Islamic activities and the Vice-Chancellor himself is a nice man.

We also appeal to the non-Muslim students and members of the University to take effective measures to check this indecent tradition.

We hope this appeal will be taken seriously and all possible steps will be taken in this direction.

Lucknow *Tameer-e-Hayat* Nov. 25, '74

صدر اسلامک اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا خط

مدیر "تعمیر حیات" کے نام

مدیر محترم تعمیر حیات!

السلام علیکم

[illegible]

"ہم اپنے نئے ساتھیوں کا استقبال کس طرح کریں؟"

[illegible]

آپ کے مخلص

[illegible]

والسلام

[illegible]

پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات لکھنؤ
جلد نمبر ۱۲
شمارہ نمبر ۵-۶
سالانہ: بارہ روپے
فی پرچہ: ۵۰ پیسے
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۰ و ۲۵ جنوری ۷۵ء ——— ۲۶ ذی الحجہ و ۱۲ محرم الحرام ۹۵ھ

اسحاق جلیس ندوی

انسانیت کے بہی خواہوں کے نام

۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو اپنی پرارتھنا سبھا میں گاندھی جی نے اپنے مخصوص لہجہ میں کہا تھا،
"ایشا جمانہ آگیا ہے کہ منش منش سے ڈرتا ہے" (ایسا زمانہ آگیا ہے کہ انسان، انسان سے ڈرتا ہے)
یہ اُن دنوں کی بات ہے کہ جب ملک کے بٹوارے کا گھاؤ تازہ تھا ——— اور انسانی قدروں کی ارزانی اور انسانیت کی اس درجہ رسوائی اور پامالی شاید چشمِ فلک نے اس ملک میں کبھی نہ دیکھی ہو ——— گاندھی جی ایک انسان دوست رہنما تھے، انسانی اقدار کی بربادی پر رنج و تاسف کے اظہار کے لئے سادہ زبان اور گجراتی لہجہ میں ان کے اس جملے میں بڑی معنویت ہے کہ،
"ایشا جمانا آگیا ہے کہ منش، منش سے ڈرتا ہے"

انسانیت کی اس سے بڑھ کر کوئی توہین، پستی اور بے وقعتی نہیں ہوسکتی کہ انسان اپنے ہی جیسے دوسرے انسان سے خائف ہو۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء کا دور ایک قسم کا ہسٹریائی دور تھا۔ اگر اس زمانہ میں چند مہینوں تک ایک انسان دوسرے انسان کو موذی درندہ سمجھ کر خائف تھا تو اسے وقتی اور عارضی ہیجان کہہ کر صبر کیا جاسکتا تھا لیکن ہمارے ملک کی موجودہ صورتِ حال کو دیکھ کر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ انسان سے انسان کو خوف زدہ رہنے کا زمانہ دراز تر ہوتا جارہا ہے۔ گزشتہ ۲۷ سال سے انسان، انسان سے خائف ہے اور دن بدن بگڑتے ہوئے حالات اس بات کے غماز ہیں کہ انسان سے انسان کے خوف و دہشت سے زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوگا اور شاید یہ سلسلہ جلد ختم نہ ہو ——— اس ملک کے شب و روز یہی رہے تو یہاں تجارت، ملازمت، تعلیم، سفر غرض ہر کام دشوار ہوجائے گا اور ہر شخص اپنی جان اور عزت کی خیر منانے کسی گوشۂ عافیت میں پناہ لینے پر مجبور ہوجائے گا۔

ملک کی اس بگڑتی ہوئی صورتِ حال میں گاندھی جی کی طرح دردِ خلوص میں ڈوبی ہوئی ایک آواز نہیں کہ جو ——— "ایشا جمانا آگیا ہے کہ منش، منش سے ڈرتا ہے" کہہ کر بے حس دل و دماغ کو جھنجھوڑے انسانی ضمیر کو بیدار کرے اور قدرت کی حسین و دل آویز تخلیق "انسان" کی قیمت کا احساس دلائے۔

ان نازک حالات میں ۵۵ کروڑ انسانوں کو خوابِ مرگ میں مبتلا اور ہزاروں مربع میل رقبہ کے اس وسیع ملک میں چھائے ہوئے سناٹے کو دیکھ کر اب گاندھی جی کی قدر آتی ہے کہ اکثریتی فرقہ کے رہنماؤں میں واحد ان کی شخصیت ایک حساس، دردمند، اور قد آور انسان کی تھی۔ ورنہ بقیہ تمام کا حال بالشتیوں کا سا ہے ——— محدود مفادات کے گرد گردش کرنے والے، جھوٹی عزت پر بکنے والے، اپنی پارٹی، علاقہ اور ذات برادری پر ملک، عوام اور انسانیت کو بھینٹ چڑھانے والے۔
یہ ہے ان رہنماؤں کی کہکشاں۔

ہمیں اس حقیقت کے اظہار پر مسرت محسوس ہورہی ہے کہ اس افسوسناک حالت پر سب سے زیادہ مسلمان بے چین ہیں ——— مسلمانوں کو قومی دھارے میں شرکت کی دعوت دینے والوں کی بے خبری، حالات سے بے خبری اور حقائق سے چشم پوشی پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اب بھی مسلمانوں کو اس ملک کے سب سے بڑے بہی خواہ کیوں نہیں سمجھتے ——— ملک کو درپیش خطرات کا احساس اور ایک تنگ حلقہ لوگوں کو بھی وہ تاریک داغ سمجھتے ہیں اب بھی قومی دھارے کا رنگ اپنے ہونے نہیں سمجھتے۔

ہم اسی شمارہ میں مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی کے دورۂ الہ آباد کی رپورٹ اور وہاں کے ایک جلسہ میں کی ہوئی تقریر شائع کر رہے ہیں جس سے اندازہ اور حالیہ آرائی کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملک کی تعمیر اور اصلاح کے لئے اس طرح کی کوششیں کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہیں ——— ہم انسانیت کے تمام بہی خواہوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس دعوت و تحریک کو عام کرنے میں ہر ممکن تعاون کریں۔ اس کے بغیر ملک کی بقا، ترقی اور آزادی ہر چیز خطرہ میں ہے ——— !!

تعمیرِ حیات کا خصوصی شمارہ

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نمبر
فروری میں
منظرِ عام پر آرہا ہے۔
مضمون نگار حضرات سے گزارش ہے
کہ
وہ جلد مضامین ارسال کریں۔
ایجنسیاں مطلوبہ زائد کاپیوں کی تعداد جلد لکھیں ـــ
زیرِ نظر شمارہ ۱۰ و ۲۵ جنوری دو شماروں پر مشتمل ہے۔
آٹھ زائد صفحات ——— قیمت ۵۰ پیسے

قابلِ توجہ!

الحمد للہ کہ "تعمیرِ حیات" کی اشاعت و مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہے ـــ لیکن ......
(۱) تعمیرِ حیات کی اصل لاگت فی پرچہ [illegible]
[illegible]
(۲) ایجنسیوں کو اسی قیمت پر [illegible]
(۳) اداروں، لائبریریوں اور [illegible]
[illegible]
(۴) "تعمیرِ حیات" کے [illegible]
[illegible]
(۱) تعمیرِ حیات [illegible]
(ب) یا بلیغ [illegible]
(ج) یا [illegible]
(د) [illegible]
(ہ) [illegible]
[illegible]
[illegible]
(و) [illegible]
[illegible]

"غلطی کرنا اور ٹھوکر کھانا اتنا برا نہیں لیکن ٹھوکر کھا کر نہ سنبھلنا انسان اور انسانیت کا سب سے بڑا المیہ ہے۔"
"خدا کے پیغمبروں نے بھی یہ امید نہیں کی اور اس کا مطالبہ نہیں کیا کہ انسان فرشتہ بن جائے۔"

[illegible]

مولانا محمد منظور نعمانی

قادیانی ــــ فارقلیط صاحب ــــ اور "ایک دانشور طبقہ"

قادیانیت کی لاہوری شاخ کا ایک ہفتہ وار پرچہ پیغام صلح ... (کشمیر) سے نکلتا ہے۔ ایک صاحب نے اس کا ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء (رمضان ۱۳۹۵ھ) کا شمارہ دکھایا۔ اسی میں الجمعیۃ دہلی کے سابق ایڈیٹر معروف صحافی فارقلیط صاحب کا ایک مضمون اردو ڈائجسٹ "شبستان دہلی" کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ اس مضمون کا تعلق قادیانیوں کے کفر و اسلام کے مسئلہ سے ہے ــــ یہ عجیب و غریب ذہنیت کا نمونہ ہے۔ فارقلیط صاحب نے جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کو انہوں نے اپنا خیال اور اپنی رائے قرار نہیں دیا ہے، ان کا فرمانا ہے کہ مسلمانوں کے ایک "دانشور طبقہ" کے یہ خیالات ہیں انہوں نے اس مضمون کی اشاعت کی غرض بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"راقم نے اسی طبقہ کے خیالات کو مرتب کر لیا ہے اور انہیں اس غرض سے اشاعت کے لئے دے رہا ہے کہ علماء و اہل سنت اس پر غور فرمائیں اور منصفانہ انداز میں اس کا ایسا جواب دیں کہ ان کی تشکیک اور ذہنی تبدیلی کا ازالہ ہو جائے۔"

اس کے آگے فارقلیط صاحب نے صاف لفظوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"اس بارے میں راقم کے خیالات اور فیصلہ کو محفوظ سمجھنا چاہیئے۔"

اس صراحت و وضاحت کے بعد اس کی گنجائش نہیں ہے کہ مضمون میں ظاہر کئے گئے خیالات کو فارقلیط صاحب کے خیالات سمجھا جائے ــــ لیکن بہت سے سوچنے والوں کے ذہنوں میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ ان خیالات سے اگر ان کو اتفاق نہیں ہے تو ان میں وہ کون سی ایسی بات ہے جس کا بہت اچھا اور تشفی بخش جواب وہ خود نہیں دے سکتے تھے، طویل مدت سے جو تھوڑی بہت شناسائی فارقلیط صاحب سے رہی ہے اور ان کے فہم و فکر کے بارے میں جو اندازہ ہے اس کی بنا پر اس عاجز کا حسن ظن تو یہی ہے کہ وہ خود ان خیالات کا نہایت معقولیت سے بہت اچھا محاسبہ کر سکتے تھے اور اپنے ناظرین کو بتلا سکتے تھے کہ ان "دانشوروں" نے جو کچھ کہا ہے یا لکھا ہے وہ اوہام فریب مغالطوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، لیکن جب انہوں نے یہی کیا تو دوسروں کو یہ فرض انجام دینا پڑے گا، واللہ ولی التوفیق۔

جیسا کہ عرض کیا گیا فارقلیط صاحب کے اس مضمون کا موضوع قادیانیوں کے کفر و اسلام کا مسئلہ ہے اور اس میں قادیانیوں کو مسلمان اور علماء کی طرف سے ان کی تکفیر کے فتوے اور فیصلہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے لئے عجیب و غریب دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

سب سے پہلی دلیل شاید مضبوط ترین دلیل سمجھ کر یہ پیش کی گئی ہے کہ:

"خلافت کے دور میں جب یہ سوال اٹھا کہ مسلمان کون ہے تو کیا اس وقت ایک مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ ... جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور کہلاتا ہے اس بات پر اکثر علماء متفق تھے۔"

ــــ کیا فارقلیط صاحب نے اپنے ان "دانشوروں" سے یہ نہیں پوچھا کہ یہ بات کس طرح قابل نقل سمجھی، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مسلمان ہونے کے لئے کسی عقیدہ کی ضرورت نہیں، بس جو اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ مسلمان ہے، عقیدہ اس کا جو بھی ہو ــــ کیا ہوش و حواس رکھتے ہوئے کوئی عالم دین ایسی جاہلانہ بات کہہ سکتا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ابوجہل و ابولہب وغیرہ مکہ کے کفار و مشرکین اور اس دور کے یہود و نصاریٰ کو صرف یہ تھی کہ تم اپنے کو بس مسلمان کہنے لگو، عقیدہ خواہ کچھ بھی رکھو؟ کیا قرآن مجید کا مطالبہ اپنے مخاطبین سے صرف یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہنے لگو پھر تم مسلم بندے اور جنتی ہو؟

پھر یہ کہ خلافت کی تحریک میں جو علماء دین پیش پیش تھے مثلاً حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب (نائب امیر شریعت)، حضرات علماء دیوبند، علماء بدایوں، ان میں سے کسی کے متعلق بھی یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ کسی شخص یا طبقہ کے حقیقی اور شرعی معنی میں مسلمان ہونے کے لئے بس اپنے کو مسلمان کہنا کافی سمجھتے تھے خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ ہمارے نزدیک تو کسی بھی عالم دین کے بارے میں ایسا کہنا اس پر بدترین تہمت ہے ــــ اور قریب قریب ان سبھی حضرات کے ایسے فتوے اور ایسی تحریریں پیش کی جا سکتی ہیں جن میں قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دیا گیا ہے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خلافت کمیٹی یا مسلم لیگ جیسی کسی پارٹی یا کوئی تنظیم اپنا ممبر بنانے کے لئے یہ اصول مقرر کرے کہ ہر وہ شخص جو اپنے کو مسلمان کہے ہماری تنظیم کا ممبر بن سکتا ہے، عقیدہ سے بحث کرنا ہمارا کام نہیں ہے ــــ ہم اس کو مسلمان مان کر ممبر بنا لیں گے ــــ فارقلیط صاحب کے مضمون میں خلافت کے دور کے جس واقعہ کا حوالہ دیا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اسی قسم کا کوئی فیصلہ ہو ــــ لیکن ظاہر ہے کہ قادیانیوں کے اسلام اور کفر کا مسئلہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہم وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے برصغیر کے تمام ہی وہ علماء ربانی جن کو علم دین میں رسوخ حاصل رہا ہے اور مرزا غلام احمد اور ان کی امت خاص کر قادیانی پارٹی کے عقائد و خیالات سے جن کو پوری واقفیت حاصل ہے، وہ تحریک خلافت سے پہلے بھی اس پر متفق تھے اور بعد میں بھی متفق رہے کہ یہ لوگ اپنے کو مسلمان کہنے کے باوجود اپنے کافرانہ عقائد و خیالات کی وجہ سے شریعت کی رو سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اس سلسلہ میں صرف مثال کے طور پر کچھ چند علماء ربانی کے نام لکھتا ہوں جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور جن کے بارے میں کوئی ایسا شخص جو ان کو جانتا ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حضرات تکفیر کے بارے میں احتیاط "بے بصیرت" اور ناخدا ترس تھے ــــ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ندوۃ العلماء کے بانی اور حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مولانا محمد سجاد (نائب امیر شریعت بہار) میرا خیال ہے کہ آخری دونوں مرحوم بزرگ وہ ہیں جن کو فارقلیط صاحب نے بھی کافی مدت تک قریب سے دیکھا ہے اور وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ علم دین میں رسوخ اور تکفیر جیسے اہم معاملہ میں احتیاط اور خدا ترسی کے لحاظ سے ان کا کیا حال و مقام تھا۔

ان حضرات کی اب سے پچاس ساٹھ سال پہلے کی مطبوعہ تحریریں موجود ہیں جن میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی امت کو خارج از اسلام قرار دیا گیا ہے، اس کے بعد سے قادیانیت سے واقفیت رکھنے والے برصغیر کے تمام علماء ربانی اور اصحاب فتویٰ کا اس مسئلہ میں اتفاق رہا ہے۔ اسی کی بنیاد پر پاکستان کے علماء نے وہاں کی حکومت سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا، حکومت نے جو فیصلہ کیا وہ فارقلیط صاحب کے ان دانشوروں کے نزدیک جیسا بھی ہو لیکن یہ قرآن و سنت اور ساری کتاب و سنت کی رہنمائی کے بالکل مطابق ہے۔

فارقلیط صاحب نے مضمون کے آخر میں اپنے ان دانشوروں کا ایک تحریری بیان بھی انہی کے لفظوں میں نقل کیا ہے اس سے اسلام و کفر کے بارے میں ان لوگوں کا نقطہ نظر اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

اس بیان میں ہندوستان کے آئین کی تحسین کرتے ہوئے اور اسلامی حکومتوں اور علماء اسلام اور مفتیان کرام کے لئے اس کو گویا قابل تقلید نمونہ بتاتے ہوئے لکھا گیا ہے۔

"...... انہیں (ہندوستان کے آئین میں) تمام ہندو فرقوں کو ہندو قرار دے کر ہر قسم کی بحث کے دروازے بند کر دئے۔ آئین کی رو سے صرف سناتن دھرمی اور آریہ سماجی ہی ہندو نہیں ہیں بلکہ بدھسٹ، جینی اور سکھ بھی ہندوؤں میں شامل کر لئے گئے ہیں، حالانکہ سکھ ویدوں اور شاستروں کے قائل نہیں، بدھسٹ اور جینی ہندوؤں کی کسی کتاب کو نہیں مانتے ہیں۔ آخرالذکر دونوں طبقے (بدھسٹ اور جینی) تو خدا یا ایشور تک کے قائل نہیں مگر ہندوستان کے آئین نے ان سب کو اتحاد کی ایک لڑی میں منسلک کر دیا۔"

دیکھا آپ نے فارقلیط صاحب کے یہ دانشور امت محمدی اس کی حکومتوں اور اس کے علماء و اصحاب فتویٰ کو تلقین فرماتے ہیں کہ تم بھی عقائد کی چھان بین کی تنگ نظری چھوڑ دو، یہ مت دیکھو کہ ایک آدمی ایک خدا کو مانتا ہے یا نہیں، مانتا ہے اس کی نازل فرمائی ہوئی کتاب قرآن کو مانتا ہے یا نہیں مانتا، تم ہندوستان کے آئین کی طرح خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کے منکروں کو بھی مسلمان قرار دے کر سب کو اتحاد کی لڑی میں منسلک کر دو! یہ "دانشور" اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو حضور اور آپ کو بھی مشورہ دیتے کہ عقائد کے جھگڑے بکھیڑوں کو چھوڑ دیجئے اس سے خواہ مخواہ تفریق ہوتی ہے، خدا کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں، توحید پر عقیدہ رکھنے والوں اور مشرکوں بت پرستوں کو اللہ کے رسول اور اس کی کتاب قرآن، اور قیامت و آخرت پر ایمان رکھنے والوں اور سب کے منکروں کو ایک متحدہ اور ایک امت مان لیجئے ــــ یقین ہے کہ ابوجہل اور ابولہب بھی بڑی خوشی سے اس کو قبول کر لیتے ــــ اسی طرح اگر یہ "دانشور" حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں ہوتے تو مسیلمہ کذاب کی جماعت اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف ان کے فیصلہ جہاد کو یقیناً غلط قرار دیتے، ان پر امت مسلمہ میں تفریق کا جرم عائد کرتے۔

تعجب اور افسوس ہے کہ جن لوگوں کی نظر سے وہ جانتے ہیں کہ دونوں گروہ اپنے کو مسلمان کہتے تھے، مسلمانوں کا کلمہ بھی پڑھتے تھے۔

حیرت ہے کہ فارقلیط صاحب نے ایسی بے تکی اور بے دانشی کی باتیں کرنے والوں کو "دانشور" کا معزز لقب دینا کیوں مناسب سمجھا۔

علماء اسلام کی طرف سے قادیانیوں کی تکفیر کے غلط ہونے کے ثبوت میں دوسری دلیل یا دوسری بات اس مضمون میں ان دانشوروں کی طرف سے یہ پیش کی گئی ہے کہ:

"مجدد بریلوی (مولوی احمد رضا خاں صاحب) نے کسی مسلمان کو کافر کفر بنائے بغیر نہیں چھوڑا۔"

یہ وہ بات ہے جو قادیانیوں کی تکفیر کے فتوے کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے لئے اس سے پہلے بھی کہی جاتی رہی ہے اور خاص کر مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے اہل قلم نے اپنی تحریروں میں اس کو بار بار اور انشاء کے پورے زور کے ساتھ دہرایا ہے ــــ لیکن غور کیا جائے اس دلیل کا منطقی حاصل کیا ہے؟ یہی نا کہ چونکہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے متعلق معلوم اور ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور اکابر علماء دیوبند اور علماء ندوۃ العلماء اور پھر تحریک خلافت کی شرکت کے جرم میں علماء فرنگی محل اور علماء بدایوں وغیرہ کی بھی تکفیر بالکل غلط بنیادوں پر کی، اور اس سلسلہ کے ان کے فتوے غلط اور ناقابل اعتبار ہیں، لہٰذا اب تکفیر کے ہر فتوے اور فیصلہ کو (اگرچہ وہ مسلمہ طور پر محتاط اور خدا ترس اور محقق علماء ربانی کی طرف سے ہو) ناقابل اعتبار ہی قرار دیا جائے گا ــــ ناظرین کرام سوچیں کہ یہ بات کس قدر بے تکی اور انصاف و معقولیت سے کتنی دور ہے ــــ سب جانتے ہیں کہ پولیس والے جو چوروں اور ڈاکوؤں کے چالان کرتے ہیں ان میں بعض چالان دانستہ یا نادانستہ غلط بھی ہوتے ہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا اور یہ اصول بنا لینا صحیح ہوگا کہ کسی جگہ کی بھی پولیس چوروں اور ڈاکوؤں وغیرہ مجرموں کے جو چالان کرے تو ان چالانوں کو غلط ہی مانا جائے گا اور سب چوروں اور ڈاکوؤں کو بری قرار دیا جائے گا۔ مالکم کیف تحکمون!

اس سلسلہ میں ان دانشوروں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب "تحذیر الناس" کا ایک فقرہ بھی نقل کیا ہے جس کو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضرت مولانا مرحوم کی تکفیر کی بنیاد بنایا ہے، لیکن چونکہ مضمون سے یہ بات ظاہر ہے کہ فارقلیط صاحب اور ان کے یہ "دانشور" بھی یقین رکھتے ہیں کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی یہ حرکت غلط ہے اور اس فقرہ کا مطلب وہ نہیں ہے جو خاں صاحب موصوف نے نکالا ہے، اس لئے اس فقرہ کی تشریح اور وضاحت کی یہاں ہم ضرورت نہیں سمجھتے تاکہ ہمارا یہ مضمون خواہ مخواہ طویل نہ ہو ــــ اگر بالفرض ناظرین میں سے کسی صاحب کو "تحذیر الناس" کے اس فقرہ کے بارے میں کوئی خلجان ہو تو وہ راقم سطور کا رسالہ "معرکۃ القلم" کا مطالعہ فرما کر اپنے اس خلجان کو دور کر سکتے ہیں۔

قادیانیوں کی تکفیر ہی کے سلسلہ میں ایک بات اس مضمون میں یہ بھی کہی گئی ہے کہ

"ایک بنیادی اصول جس پر سب کا اتفاق ہے یہ ہے کہ اگر قائل کے قول میں الجھن ہو تو اس کے قول کا مطلب اسی سے دریافت کیا جائے، اگر وہ اپنے قول کی ایسی تشریح کر دے جس میں کسی کو اختلاف نہ ہو تو معاملہ ختم کر دیا جائے۔"

یہ بات اصولاً بالکل صحیح ہے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کے جن اقوال اور خاص کر قادیانی پارٹی کی جن تصریحات کی بنا پر علماء اسلام نے ان کو خارج از اسلام قرار دیا ہے ان میں کوئی الجھن نہیں ہے، وہ بالکل واضح ہیں، اور مرزا صاحب کے خلیفہ اور فرزند مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تصانیف "حقیقۃ النبوۃ" "تشحیذ الاذہان" اور "انوار خلافت" وغیرہ میں مرزا صاحب کی نبوت و رسالت اور ان کو نہ ماننے والے مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں جو وضاحت کی ہے اور مرزا صاحب کا اور اپنا اور اپنی جماعت کا جو عقیدہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، اس کے بعد کسی الجھن اور کسی استفسار کا سوال ہی نہیں رہتا ــــ

راقم سطور کا ایک مضمون "الفرقان" کی اکتوبر کی اشاعت میں "قادیانی مسلمان کیوں نہیں؟" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مرزا غلام احمد اور مرزا محمود صاحب کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں، ناظرین اور "دانشور" حضرات ان کو دیکھیں وہ بالکل صاف اور واضح ہیں، ان میں کوئی بھی الجھن نہیں۔

قادیانیوں کے کفر و اسلام کے مسئلہ پر جو صاحب بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیں ان سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ راقم کے اس مضمون کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

قادیانیوں کی تکفیر ہی سے متعلق ایک آخری بات زیر بحث مضمون میں یہ کہی گئی ہے کہ وہ "اہل قبلہ" ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام غزالیؒ کی کتاب "التفرقۃ" کی ایک عبارت بھی نقل کی گئی ہے۔ ہم وہ عبارت اور اس کا ترجمہ اسی مضمون ہی سے نقل کرتے ہیں:

اما الوصیۃ فان تکف لسانک عن اہل القبلۃ ما امکنک ما داموا قائلین لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ غیر مناقضین لہا والمناقضۃ تجویزہم الکذب علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعذر او بغیر عذر فان التکفیر فیہ خطر والسکوت لا خطر فیہ۔

(التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ)

(میری وصیت یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اہل قبلہ کی تکفیر سے زبان بند رکھو، جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے قائل ہوں، بشرطیکہ وہ اس کلمہ کی مخالفت نہ کریں اور مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی عذر یا بغیر عذر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی تکفیر خطرہ سے خالی نہیں، اگر سکوت اختیار کر لیا جائے تو پھر کوئی خطرہ نہیں۔)

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر میں احتیاط اور کف لسان کی جو وصیت اور ہدایت امام غزالیؒ نے "التفرقۃ" کی اس عبارت میں فرمائی ہے، یہی ہدایت ان سے بہت پہلے ان سے بڑے ائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ جیسے حضرات نے بھی فرمائی ہے۔ "شرح فقہ اکبر" میں "منتقی" کے حوالہ سے علامہ علی قاری نے نقل کیا ہے:

عن ابی حنیفۃ لا نکفر احداً من اہل القبلۃ وعلیہ اکثر الفقہاء۔ (ص ۱۹۲)

(امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتے اور یہی مسلک اکثر فقہاء کا ہے)

اور اسی "شرح فقہ اکبر" میں شرح مواقف کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے:

ان جمہور المتکلمین والفقہاء علی انہ لا یکفر احد من اہل القبلۃ (ص ۱۸۹)

(جمہور متکلمین اور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی بھی تکفیر نہ کی جائے۔)

کاش یہ لوگ جو قادیانیوں کی تکفیر کے مسئلہ میں ائمہ اور مصنفین کی ایسی عبارتوں کی بنیاد پر اہل قبلہ کی بحث چھیڑتے ہیں، اس پر غور کرتے کہ ان عبارتوں میں اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ ــــ ظاہر ہے کہ لغوی اور لفظی معنی کے لحاظ سے تو ہر وہ شخص اہل قبلہ ہے جو مکہ مکرمہ میں واقع کعبہ کو بیت اللہ اور قبلہ مانتا ہو۔ تو اگر اس لفظ کا یہی مطلب ہو تو ابوجہل وغیرہ سارے مشرکین عرب اہل قبلہ تھے۔ عرب کی تاریخ اور ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ سارے مشرکین عرب کعبہ کو بیت اللہ اور قبلہ مانتے تھے، اور اسی بنا پر اس کی تقدیس کے قائل تھے، اس کا طواف کرتے تھے، اپنے طریقہ پر حج اور عمرہ بھی کرتے تھے تو اگر اہل قبلہ کا مطلب یہی ہو تو پھر تو ابوجہل ابولہب وغیرہ مشرکین عرب کو بھی کافر کہنے کی گنجائش نہ ہوگی۔

دراصل "اہل قبلہ" ایک خاص دینی اور علمی اصطلاح ہے، عقائد اور فقہ کی کتابوں میں تکفیر کی بحث میں یہ لفظ عام طور سے استعمال ہوتا ہے اور ان ہی کتابوں میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو توحید و رسالت، قیامت وغیرہ ایمانیات پر یقین رکھتے ہوں اور کسی ایسی دینی حقیقت کے منکر نہ ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے قطعی اور یقینی طریقہ پر ثابت ہو جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو (علماء اور مصنفین کی اصطلاح میں ایسی چیزوں کو ضروریات دین کہا جاتا ہے) پس اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی منکر ہے مثلاً قرآن پاک کے کتاب اللہ ہونے کا، یا قیامت اور حشر و نشر کا، یا پانچ وقت کی نماز کی فرضیت کا، یا ایسی کسی بھی دینی بات کا انکار کرتا ہے تو وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے ــــ

یہی "شرح فقہ اکبر" جس کے حوالہ سے اہل قبلہ کی تکفیر کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کی روایتیں اوپر نقل کی گئی ہیں اسی میں اسی مقام پر اہل قبلہ کی مراد بھی واضح کی گئی ہے:

واعلم ان المراد باہل القبلۃ الذین اتفقوا علی ما ہو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم اللّٰہ تعالیٰ بالکلیات والجزئیات وما اشبہ ذالک من المسائل المہمات فمن واظب طول عمرہ علی الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم او نفی الحشر او نفی علمہ سبحانہ بالجزئیات لا یکون من اہل القبلۃ (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۹)

(اور جان لو کہ یہ بات جان لینا چاہئے کہ اہل قبلہ سے ...

لوگ (دراصل) جو تمام ضروریات دین سے متفق ہوتا جیسے عالم کا حادث ہونا اور قیامت میں جسمانی حشر ہونا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات و جزئیات سب کا علم ہے اور ان جیسے تمام اہم مسئلے (جو ضروریات دین میں شامل ہیں) پس جو شخص سارا عمر مجبوریاں اور عبادتوں میں مشغول رہے اور اسی کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ عالم حادث نہیں قدیم ہے یا یہ کہ حشر جسمانی نہیں ہوگا یا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہے تو وہ اہل قبلہ میں سے نہ ہوگا۔)

اس عبارت سے یہ بات صاف ہو گئی کہ جو شخص کسی ایسی بات کا انکار کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی یقینی طریقہ سے ثابت ہو جس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ ہو۔ وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے۔ اس کو کافر مرتد قرار دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جو ائمہ اور مصنفین یہ کہتے ہیں کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کیجائے وہ سب یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قیامت اور آخرت کا منکر ہو یا قرآن کے کتاب اللہ ہونے سے انکار کرے یا نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر ہو یا اللہ پاک کی شان میں یا کسی نبی کی شان میں صریح گستاخی اور بدزبانی کرے وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، چاہے وہ اپنے کو مسلمان کہتا ہو اور کعبہ کو قبلہ مانتا ہو۔ عقائد اور فقہ کی تمام کتابوں میں یہ تصریحات دیکھی جا سکتی ہیں۔

خود امام غزالیؒ نے جن کی کتاب "التفرقہ" سے فارقلیط صاحب کے مضمون میں وہ عبارت نقل کی گئی ہے جو اوپر درج کی گئی (جس میں امام ممدوح نے اہل قبلہ کی تکفیر سے کف لسان کی وصیت فرمائی ہے) اپنی اسی کتاب "التفرقہ" میں اسی مسئلہ تکفیر پر بحث کرتے ہوئے وصیت والی مندرجہ بالا عبارت سے پہلے اور بعد میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی بات کا انکار کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اگرچہ اس کا انکار تاویل کے ساتھ ہو۔ اسی بنا پر وہ مسلمانوں میں سے ان فلاسفہ کو کافر قرار دیتے ہیں جو اس کے قائل تھے کہ قیامت میں حشر جسموں کے ساتھ نہیں ہوگا بلکہ صرف روحانی ہوگا، اور آخرت میں عذاب اس دنیا کی تکلیفوں کی طرح حسی نہیں ہوگا ــــ اس سلسلہ میں امام غزالیؒ کی اسی کتاب "التفرقہ" ہی کی چند عبارتیں فارقلیط صاحب اور ان کے دانشوروں کی خدمت میں پیش ہیں۔

امام غزالیؒ نے التفرقہ میں تاویل کی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ بعض تاویلیں ایسی ہوتی ہیں جن کی بنا پر تاویل کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو خاطی یا بدعتی قرار دیا جائے گا اور بعض تاویلیں ایسی ہوتی ہیں جو موجب کفر ہوتی ہیں، جو لوگ اس طرح کی تاویلیں کریں گے ان کو کافر قرار دیا جائے گا ــــ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

واما ما يتعلق من هذا الجنس باصول العقائد

المهمة فيجب تكفير من يغير الظاهر بغير برهان قاطع كالذي ينكر حشر الاجساد وينكر العقوبات الحسية في الآخرة بظنون واوهام واستبعادات من غير برهان قاطع فيجب تكفيره قطعاً ...... وهو مذهب اكثر الفلاسفة۔ (التفرقہ ص۵۳)

(اور ان تاویلوں میں سے جن کا تعلق اہم بنیادی عقائد سے ہو تو ایسے لوگوں کی تکفیر واجب ہوگی جو کسی قطعی دلیل کے بغیر نصوص کے ظاہری معنی میں تاویل کے ذریعہ تبدیلی کریں جیسے کہ وہ لوگ جو کسی قطعی دلیل کے بغیر محض اپنے اوہام اور خیالات اور استبعادات کی بنا پر (قیامت میں) حشر اجساد (جسمانی حشر کا) اور (آخرت میں) حسی عقوبتوں کا انکار کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی تکفیر واجب ہے اور یہ بات قطعی اور یقینی ہے ...... اور یہ اکثر فلاسفہ کا مذہب ہے۔)

امام غزالی نے اس عبارت میں جن فلاسفہ کی تکفیر کو واجب اور قطعی قرار دیا ہے وہ اپنے کو مسلمان ہی کہتے تھے اور کعبہ کو قبلہ بھی مانتے تھے۔

فارقلیط صاحب نے اپنے مضمون میں امام غزالیؒ کی جو عبارت اور وصیت "التفرقہ" ص۵۹ سے نقل کی ہے اسی صفحہ پر اس عبارت سے بالکل متصل یہ عبارت ہے۔

واما القانون فهو ان تعلم ان النظريات قسمان قسم يتعلق باصول القواعد وقسم يتعلق بالفروع واصول الايمان ثلاثة الايمان بالله وبرسوله وباليوم الآخر وما عداه فروع واعلم انه لاتكفير في الفروع اصلاً الا في مسألة واحدة وهي ان ينكر اصلاً دينياً علم من الرسول صلى الله عليه وسلم بالتواتر لكن في بعضها تخطئة كما في الفقهيات وفي بعضها تبديع كالخطاء المتعلق بالامامة واحوال الصحابة۔

(التفرقہ ص۵۹)

(اور تکفیر کے بارے میں شرعی قانون کی تفصیل یہ ہے کہ نظریات (عقائد و خیالات) دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق بنیادی عقائد سے ہو اور دوسرے وہ جن کا تعلق بنیادی عقائد سے نہیں بلکہ فروع سے ہو اور بنیادی عقائد تین ہیں۔ اللہ پر ایمان، اس کے رسولؐ پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، اور ان تین کے سوا جو عقائد ہیں انکو فروع کہا جائے گا اور معلوم ہونا چاہیے کہ فروعی عقائد میں سے کسی کے انکار کی وجہ سے ہم تکفیر بالکل نہیں کریں گے، لیکن اس ایک صورت میں فروع میں بھی تکفیر کی جائے گی جب کہ کوئی شخص کسی ایسی دینی حقیقت کا انکار کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے مگر ان میں سے بعض صورتوں میں اس شخص کو خاطی قرار دیا جائے گا جیسا کہ فقہیات میں اور بعض صورتوں میں مبتدع قرار دیا جائے گا جیسا کہ (شیعوں کے) غلط خیالات ہیں مسئلہ امامت کے بارے میں اور صحابہ کرام کے احوال کے بارے میں (تو ان کی بنا پر ان کو بدعتی قرار دیا جائے گا)۔

آگے فرماتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسی بات کہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی کسی بات کی تکذیب ہوتی ہو تو اس کی تکفیر واجب ہوگی اگرچہ وہ بات دین کے بنیادی اور اساسی عقائد سے متعلق نہ ہو بلکہ فروع سے متعلق ہو۔ کتاب کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

ومهما وجد التكذيب وجب التكفير وان

كان في الفروع۔ (التفرقہ ص۵۸)

(اور جب بھی تکذیب کی صورت پائی جائے گی تو تکفیر واجب ہوگی اگرچہ اس کا تعلق کسی فروعی مسئلہ سے ہو۔)

پھر امام غزالیؒ نے اس کی دو مثالیں بھی دی ہیں، ہم ان میں سے صرف دوسری مثال ذکر کرتے ہیں کیونکہ وہ ناظرین کے لئے سہل الفہم ہے اور بعض ایسے بدبخت اس کے قائل ہوئے ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے اور سمجھتے تھے اور کعبہ کو قبلہ بھی مانتے تھے۔ امام غزالیؒ کے الفاظ میں مثال یہ ہے:۔

وكذلك من نسب عائشة رضي الله عنها الى الفاحشة وقد نزل القرآن ببراءتها فهو كافر لان هذا وامثاله لايمكن الا بتكذيب الرسول او انكار التواتر۔ (ص۵۸)

(اور ایسے ہی اس بدبخت شخص کی تکفیر واجب ہے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف فاحشہ (بدکاری) کی نسبت کرے (معاذ اللہ) حالانکہ قرآن مجید نے اسکی برأت کی ہے کیونکہ یہ اور اس طرح کی دوسری گمراہانہ باتیں رسول اللہ صلعم کی تکذیب یا تواتر کے انکار کے بغیر ممکن نہیں)

واضح رہے کہ امام غزالیؒ نے یہ مثال اس کی دی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے مسئلہ میں جس کا تعلق اسلام کے بنیادی عقائد سے نہ ہو بلکہ فروع سے ہو ایسی بات کہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوتی ہو اور جو بات آپ سے تواتر کے ساتھ یقینی اور قطعی طریقہ پر ثابت ہے اس کا انکار ہوتا ہو تو اس کو کافر کہا جائے گا۔ حضرت صدیقہ پر تہمت کا مسئلہ اسی کی مثال ہے۔

پھر منقولہ بالا عبارت کے چند سطر بعد ارقام فرماتے ہیں:۔

واما الاصول الثلاثة وكل مالم يحتمل التأويل في نفسه وتواتر نقله ولم يتصور ان يقوم برهان على خلافه فمخالفته تكذيب محض ومثاله ما ذكرناه من حشر الاجساد والجنة والنار۔ (التفرقہ ص۵۹)

(اور دین کے تینوں بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالیوم الآخر) اور ہر وہ دینی بات جس میں تاویل کا احتمال نہ ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہو اور اس کے خلاف کسی برہان (قطعی دلیل) کا قائم ہونا متصور نہ ہو تو اس سے اختلاف کرنا تکذیب کے سوا کچھ نہیں اور اس کی مثالیں وہ ہیں جو ہم نے ذکر کیں یعنی حشر اجساد اور جنت و دوزخ۔

پھر اس کے اگلے صفحہ پر بحث کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولابد من التنبيه على قاعدة اخرى وهو ان المخالف قد يخالف نصاً متواتراً ويزعم انه مؤول ولكن ذكر تاويله لا انقداح له اصلاً في اللسان لا على بعد ولا على قرب فذلك كفر وصاحبه مكذب وان كان يزعم انه مؤول۔

(التفرقہ ص۶۱)

(اور ایک دوسرا قاعدہ کلیہ ہے ناظرین کو اس سے آگاہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص دین کی ایسی نصوص بات سے اختلاف کرتا ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور اس کا اپنا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ (اس نص کا منکر نہیں ہے بلکہ) اس کی صرف تاویل کرتا ہے، مگر جو تاویل وہ پیش کرتا ہے وہ لغت اور زبان کے لحاظ سے چلنے والی بالکل نہیں ہوتی نہ بعید نہ قریب تو اس شخص کا یہ رویہ کفر ہے اور وہ آدمی دراصل مکذب (حضورؐ کو جھٹلانے والا) ہے اگرچہ اس کا گمان اور خیال یہ ہے کہ

میں منکر نہیں ہوں بلکہ صرف تاویل کرنے والا ہوں۔)

کیا امام غزالیؒ کی اسی کتاب "التفرقہ" کی اور اسی بحث تکفیر کی ان واضح عبارتوں کے بعد کسی کو یہ شبہ رہ سکتا ہے کہ اُن کو اس وصیت کا (جس کو فارقلیط صاحب نے "التفرقہ" ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے) یہ مطلب ہے کہ جو کوئی اپنے کو مسلمان کہے، اور کلمہ پڑھے، اور کعبہ کو قبلہ مانے پھر چاہے اس کے عقائد کچھ بھی ہوں اور دینی حقائق کی وہ کیسی ہی تاویل اور تحریف کرے اس کی تکفیر نہ کی جائے ــــ ظاہر ہے کہ امام غزالیؒ کی "التفرقہ" ہی کی مندرجہ بالا عبارتیں دیکھنے کے بعد کوئی شخص ان پر یہ تہمت نہیں لگا سکتا ــــ امام غزالیؒ تو دین کے مسلم عالم اور عارف ہیں۔ ایسی جاہلانہ بات تو ایسا کوئی شخص نہیں کر سکتا جو دین کی الف ب بھی جانتا ہو۔

قرآن مجید میں یہ واقعہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ ایسے لوگوں نے جو ایمان لا چکے تھے، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز بھی پڑھتے تھے، کوئی کافرانہ بات کہی جس کی اطلاع حضورؐ کو ہو گئی جب اُن سے پوچھ گچھ کی گئی تو انہوں نے یہ تاویل اور معذرت کی کہ ہم نے یہ بات دل سے اور سنجیدگی سے نہیں کہی تھی بلکہ ہنسی مذاق میں کہی تھی، اُن کے بارے میں قرآن مجید سورہ توبہ کی آیت ۶۶ نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان بدبختوں سے صاف فرما دیجئے کہ حیلے بہانے مت کرو تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ "قل لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم" اور اسی سورۂ توبہ میں بعض ایسے لوگوں کے بارے میں جو حضورؐ کے زمانے میں اسلام قبول کر چکے تھے مسلمانوں میں شامل تھے اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز بھی پڑھتے تھے، بیان فرمایا گیا ہے کہ انھوں نے کوئی کافرانہ بات کہی اور اس بنا پر وہ دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر قرار پائے "لقد قالوا كلمة الكفر وكفروا بعد اسلامهم" (سورۂ توبہ)

قرآن مجید کی یہ آیتیں ناطق ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کو مسلمان کہے، کلمہ پڑھے، کعبہ کو قبلہ مانے، اسی کے ساتھ کوئی کافرانہ بات بکے یا کافرانہ عقیدہ کا اظہار کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہے ــــ یہی امت کا اجماعی عقیدہ ہے ــــ ہاں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جو شخص اپنے کو مسلمان کہے اور کلمہ گو ہو ہم اسے مسلمان مانیں گے جب تک کہ اس کی کوئی کافرانہ بات یا کافرانہ عقیدہ علم میں نہ آئے۔

اس کے بعد گذارش ہے کہ علماء کی طرف سے قادیانیوں کی تکفیر کی سب سے بڑی بنیاد یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے ایسے صاف اور صریح الفاظ میں جنمیں کسی تاویل کی گنجائش نہیں نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور جو لوگ اس دعویٰ کی فضول تاویلیں کرتے ہیں مرزا صاحب کے فرزند اور خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے خود مرزا صاحب کی عبارتیں پیش کر کے ان سب کی جڑ کاٹ دی ہے اور نا قابل تردید طریقہ پر ثابت کر دیا ہے کہ مرزا صاحب اسی معنی میں نبوت و رسالت کے مدعی ہیں جو شریعت میں اُس کے معنی ہیں اور وہ ویسے ہی نبی ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہ اگلے انبیاء علیہم السلام تھے اور اُن کے نہ ماننے والے اسی طرح کافر اور جہنمی ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء سابقین کے نہ ماننے والے کافر اور جہنمی ہیں۔

مرزا محمود اور مرزا صاحب کی اس سلسلہ کی عبارتیں راقم سطور کے اُن مضمون میں دیکھی جا سکتی ہیں جو "قادیانی مسلمان کیوں نہیں؟" کے عنوان سے ایک ہی مہینہ پہلے "الفرقان" کے اکتوبر کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ اسی لئے یہاں ہم نے ان عبارتوں کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

بہر حال مرزا صاحب اور ان کی امت کی تکفیر کی اوّل بنیاد یہ ہے کہ وہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی، وغیرہ مدعیان نبوت کی طرح نبوت و رسالت کے مدعی ہیں اور ختم نبوت سے متعلق قرآن و حدیث کے متواتر اور قطعی نصوص کی ایسی جاہلی تاویلیں کرتے ہیں جو حقیقتاً تکذیب اور تحریف ہیں، اس لئے شریعت اور علماء شریعت کی نگاہ میں اُن کا مقام وہی ہے جو مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت اور ان کے امتیوں کا قرار پایا تھا۔

نزول مسیح کا مسئلہ:

فارقلیط صاحب کے زیر بحث مضمون میں نزول مسیح کے مسئلہ پر بھی ایک خاص انداز میں گفتگو کی گئی ہے اس سلسلے میں سب سے پہلی یہ بات کہی گئی ہے کہ نزول مسیح کا عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہے کیونکہ اگر آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوا (اور وہ اللہ کے نبی ہیں) تو خاتم النبیین اور آخری نبی حضور نہیں ہونے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ کہی گئی ہے کہ نزول مسیح کا عقیدہ غیر قرآنی ہے، قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بتلا کر قرآن نے اس عقیدہ کو رد کر دیا ہے۔

تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ حدیث کی موجودہ کتابوں میں امام مالکؒ کی "مؤطا" سب سے پہلی کتاب ہے جو صحیح بخاری وغیرہ سے بھی مقدم ہے، اس میں کوئی حدیث نزول مسیح کی نہیں ہے لہٰذا وہ سب حدیثیں جنمیں آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ کا آنا بیان کیا گیا ہے نا قابل اعتبار ہیں اور سمجھنا چاہیے کہ عیسائیوں نے محدثین کو دھوکہ دیکر یہ حدیثیں ان کی کتابوں میں درج کرادی ہیں۔

چونکہ ہمارا یہ مضمون اختصار کی کوشش کے باوجود بہت طویل ہو گیا اس لئے نزول مسیح سے متعلق اس آخری بحث میں ہم صرف ضروری اشارات کریں گے امید ہے کہ ناظرین کی تشفی کے لئے ان شاء اللہ وہی کافی ہوں گے ــــ جو تین باتیں اس سلسلہ میں مضمون میں کہی گئی ہیں ہم ان پر ترتیب وار گفتگو کرتے ہیں۔

(۱) یہ بات کہ نزول مسیح کا عقیدہ حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہے وہی شخص کہے گا جو عربی زبان اور محاورات سے بالکل ناواقف ہو، عربی لغت اور محاورے کے لحاظ سے خاتم النبیین اور آخر النبیین اس کو کہا جائے گا جس کو منصب نبوت پر سب سے آخر میں فائز کیا جائے اور اس کے بعد کسی کو یہ منصب نہ دیا جائے۔ اور بلاشبہ یہ مقام سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ آپ کو نبوت سب نبیوں کے بعد دی گئی اور نبی بنائے جانے کا سلسلہ آپ پر ختم کر دیا گیا ــــ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس دنیا میں دوبارہ آمد (جیسا کہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے) ہرگز حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں، کیونکہ ان کو تو نبوت حضورؐ کی پیدائش سے بھی تقریباً پانچسو برس پہلے دی گئی تھی، پس ان کا بحکم خداوندی حضورؐ کے بعد تک زندہ رہنا اور دوبارہ اس دنیا میں آنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہو کر آنا (جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور امت محمدیہ کا عقیدہ ہے) ہرگز حضورؐ کے خاتم النبیین اور آخر النبیین ہونے کے منافی نہیں ــــ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کسی شخص کی "خاتم الاولاد" یا "آخر الاولاد" عربی محاورے کے لحاظ سے اس کو کہا جائے گا جو اپنے سب بہن بھائیوں کے بعد اور آخر میں پیدا ہو، اگرچہ اس سے پہلے پیدا ہونے والے اس کے بہن بھائی اس کے بعد تک زندہ رہیں ــــ اس کی ایک واقعی مثال یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چار صاحبزادے تھے، شاہ عبد العزیزؒ شاہ رفیع الدینؒ شاہ عبد القادرؒ اور شاہ عبد الغنیؒ۔ ان میں سب سے چھوٹے شاہ عبد الغنیؒ تھے لیکن انتقال ان کا سب سے پہلے ہوا اور شاہ عبد العزیزؒ سب سے بڑے تھے مگر انتقال سب کے بعد میں ہوا۔ تو شاہ ولی اللہؒ کی خاتم الاولاد اور آخر الاولاد شاہ عبد الغنیؒ ہی کو کہا جائے گا اگرچہ شاہ عبد العزیزؒ ان کے بہت بعد تک زندہ رہے۔ یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جس کو عربی لغت و محاورات سے کچھ بھی واقفیت ہے۔ اور تفسیر کی کتابوں میں بھی خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا (لَا يُنَبَّأُ بَعْدَهُ نَبِيٌّ) ملاحظہ ہو تفسیر کشاف، مدارک التنزیل، روح المعانی وغیرہ، تفسیر سورۂ احزاب۔

(۲) رہی یہ بات کہ نزول مسیح کا ذکر چونکہ قرآن مجید میں نہیں کیا گیا ہے اس لئے یہ عقیدہ غلط اور غیر قرآنی ہے تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ عرض کرنا ہے کہ کیا یہ دانشور صاحبان دین سے اتنے ناواقف ہیں کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ دین کی بہت سی ایسی اہم اور بنیادی باتیں بھی ہیں جن کے بغیر اسلام اور اسلامی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور قرآن پاک میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے ــــ مثلاً ــــ سب جانتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز اسلام میں فرض ہے اور توحید و رسالت کی شہادت کے بعد وہ اسلام کا دوسرا رکن ہے لیکن قرآن مجید میں کہیں بھی صراحتاً پانچ وقت کی نماز کا ذکر نہیں، نہ قرآن میں یہ بتلایا گیا کہ کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں اور کتنے رکوع اور کتنے سجدے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں اس کا بھی ذکر نہیں کہ زکوٰۃ کس حساب سے ادا کی جائے، یہ باتیں حضورؐ سے اور امت کے اجماع اور عملی تواتر سے معلوم ہوئی ہیں اگر

"اللہ والوں کو دُنیا ہی میں جنّت کا مزہ ملنے لگتا ہے"

تقریر مولانا محمد احمد صاحب مدظلہٗ پرتاپگڈھی

بھائی اگر ہم صبح کو کھلائیں پلائیں مگر اس میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا لحاظ نہ کریں تو ہماری ساری طاعت بے کیف اور سب عبادات بے نور رہیں گی، کیونکہ اس میں جو نور پیدا ہوتا ہے وہ اکل حلال سے پیدا ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین اس کا بہت اہتمام فرماتے ہیں کہ مشتبہ چیزوں سے محفوظ رہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو اس سے بچا لیتے ہیں جیسا کہ ابھی مولانا نے مولانا عبدالسلام بستوی کا واقعہ آپ کو سنایا۔ اسی طرح مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کے متعلق سنا ہے ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب کوئی شخص ان کی دعوت کرتا اور کھانے میں کوئی مشتبہ چیز شامل ہوتی تو انکی انگلیاں خشک ہو جاتی تھیں اور وہ کھانا کھا ہی نہیں سکتے تھے اس طرح مشتبہ چیز سے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے تھے۔ جب آدمی اتباع اللہ کرتا ہے اور حلال استعمال کرتا ہے اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے احساس کو بیدار کر دیتا ہے اور اس کا دل زندہ ہو جاتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا عجیب تعلق ہو جاتا ہے اسی لئے تو اللہ والوں کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملنے لگتا ہے۔ چنانچہ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ہماری جنت ہمارے سینے میں ہے۔ اگر سلاطین کو معلوم ہو جائے تو اس چیز کو لینے کے لئے ہم پر چڑھائی کریں مگر پا نہیں سکتے۔ ان کے دل میں وہ کیفیت وہ سرور اور وہ ذوق و شوق ہوتا ہے جس کا ہم لوگوں کو اندازہ بھی نہیں ہو سکتا اسی لئے ہمارے اور ان کے حالات میں فرق ہوتا ہے۔ وہ بھی بیمار ہوتے ہیں ہم بھی بیمار ہوتے ہیں وہ بھی کھاتے پیتے ہیں ہم بھی کھاتے پیتے ہیں۔ ان کے بھی اہل و عیال ہوتے ہیں ہمارے بھی اہل و عیال ہیں۔ وہ بھی چلتے پھرتے ہیں ہم بھی چلتے پھرتے ہیں مگر دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اسی طرح مومن اور کافر کے سب اعمال میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مومن کے ایمان کی وجہ سے اسکا ہر کام عبادت ہے۔ بھائی سنو! گناہ وہ ہے جو طاعت کی لذت کو ختم کر دیتی ہے اور عبادت کے نور کو سلب کر لیتی ہے۔ یاد رکھئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ سے بڑھ کر کوئی چیز بری نہیں، لہٰذا ہم کو عبرت حاصل ہونی چاہئے اور ایسی مجبوریاں ہیں اگر سبق حاصل کرنا چاہئے، نیت کو درست کرنا چاہئے۔ ہم کو چاہئے کہ اچھی باتوں کو سنیں اور سنکر اس سے اثر لیں اور ان باتوں کو دل میں رکھ لیں اور پھر ہمت کر کے کام میں لگ جائیں جب تک آدمی ہمت سے کام نہیں لے گا اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمت جو عطا فرمائی ہے اور وہ اختیار جو دیا ہے تو اسی لئے کہ آدمی اسکو کام میں لاوے۔ اگر اختیار نہ ہوتا تو بندہ مکلّف بھی نہ ہوتا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا، پس اختیار کو کام میں لانا چاہئے اور ہمت کر کے رذائل کو چھوڑنا چاہئے اور فضائل کو اختیار کرنا چاہئے۔ انسان کا کمال اسی سے ہے کہ وہ رذائل و فضائل کا مجموعہ ہے اور اپنے اختیار سے رذائل کو باوجود طبعی رغبت کے ترک کرتا ہے اور فضائل سے اپنے کو آراستہ کرتا ہے۔ فرشتوں میں نہ رذائل ہیں نہ ان کی طرف رغبت۔ ان کی غذا تو ذکر اللہ کرنا اور تسبیح و تقدیس ہے، انہیں انسان جیسی خواہش نہیں، گناہ کرنے کی قدرت نہیں تو اگر وہ دن رات ذکر و تسبیح میں مشغول ہوں تو کیا کمال ہے۔ لہٰذا انسان اگر انسان بنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے، احکام شرعیہ کو اختیار کرے، اللہ والوں کی خدمت میں جائے اور انکی صحبت اختیار کرے تو اس کے قلب میں نور پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو آنکھ دی ہے تو اسکو انکے حکم کے مطابق استعمال کرے، خواہ ہم کہیں جائے ہیں تو اپنی نظر کی حفاظت کریں۔ قلب کے اندر اللہ کو تقاضہ پیدا ہو کہ اللہ سے ڈر کرنا شروع چیز کی طرف نہ دیکھیں۔

بھائی اصل فکر یہ ہے کہ ہر وقت آدمی یہ غور کرے کہ جو قدم بھی ہم اٹھا دیں وہ اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھے۔ اگر اسی فکر کو ہم اپنے اوپر سوار کر لیں تو تمام فکروں سے نجات ہو جائے۔ آج ہم لکھوکھا فکر کے اندر گھرے ہوئے ہیں۔ زندگی بے کیف اور بے لطف ہے ہم کو فکر کھائے جا رہی ہے مگر سمجھ لیجئے کہ یہ سب افکار فانی ہیں۔ کاش کہ ہماری فکر اللہ کے لئے ہو جاتی، آخرت کے لئے ہو جاتی تو ساری فکروں کا علاج ہو جاتا۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنی اپنی فکر پر سوچے اور اپنی اصلاح کی اور اپنے کو درست کرنے کی فکر میں لگ جائے۔ یعنی اپنے عیوب کو پیش نظر رکھے اور ان کو دور کرنے کی فکر میں لگے مجاہدہ اسی کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین۔"

ایک بزرگ تھے جو بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کی عمر کتنی ہے تو فرمایا کہ میری عمر تین برس ہے۔ لوگ اس بات کو سن کر ہنسنے لگے کہ بوڑھے ہو کر یہ فرماتے ہیں کہ میری عمر تین برس کی ہے اور اس کا مطلب ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ بھائی سنو میری عمر کے تین برس اپنے شیخ کی خدمت میں گزرے ہیں۔ میں اسی کو زندگی سمجھتا ہوں جو ایام کہ شیخ کی خدمت میں گزرے ہیں۔

آپ جانتے ہیں زندگی کیا ہے؟ زندگی درحقیقت اطاعت کا نام ہے اور غفلت کا نام ہے مرنا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل رہنا یہی آدمی کی موت ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگا رہنا حیات اور زندگی ہے۔ کیا یہ کم عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہم غافل ہیں۔ ہم لوگ اگر قرآن پاک توجہ اور غور کے ساتھ پڑھیں اور امم سابقہ کی ہلاکت کے واقعات کو سوچیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذاب کیوں بھیجے تو ہم کو معلوم ہو گا کہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی کی وجہ سے وہ ہلاک کئے گئے اور قرآن پاک میں ان واقعات کا بیان اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اسی لئے بتایا ہے تاکہ ہم لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب۔ مگر ہم لوگ اس پر غور نہیں کرتے۔ ارے بھائی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا ہم بھلا دیکھ لیں ہمارا کیا حال ہے۔ آج امت کا اصلی کام یہ ہے کہ اسی طریقے پر دوبارہ اور اسی دین پر لگ جائے اور اس کے لئے جانی و مالی قربانی پیش کرے جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے اور جس دین کی وجہ سے آپ پر پتھر برسائے، آپ کو مجنون بتایا گیا اور صحابہ کرام پر مصائب و شدائد کے پہاڑ توڑے گئے اسی دین کو جب تک ہم نہیں پکڑیں گے فلاح ناممکن ہے۔ دوستو ہم کو اور آپ کو سب کو اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کریں اور اس کے لئے اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھیں۔ اللہ والے کون ہیں؟ "الذین آمنوا وکانوا یتقون"

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جو پیرا ڈالا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک چیز ہے لیکن اصل چیز یہ ہے کہ یقین کامل حاصل ہو اور ان کے اندر اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہو کہ ان کی پیشانی سے دل کی دنیا جل جائے اور ان کو یہ احساس پیدا ہو کہ ہم کیا ہیں اور [illegible]

کیا حقیقت ہے اور جیسا کہ مولانا نے ابھی فرمایا اس کو محسوس ہونے لگے کہ میں کچھ بھی نہیں [illegible] گناہ میں گزر گئی نہیں ہوا۔ یہ بہت بڑی چیز ہے اور بزرگوں کی صحبت کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ اگر [illegible] کے مجاہدے اور ریاضت کے بعد آدمی کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں تو اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا کیونکہ یہی [illegible] اصل چیز ہے لیکن یہ بہت مشکل سے حاصل ہوتی ہے زبان سے اتنا کہہ دینا کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں یہ تو بہت آسان ہے، تقریر کر لینا بھی آسان ہے جیسا کہ مولانا نے فرمایا کہ میں بھی کہہ رہا ہوں کہ سب کچھ آسان ہے مگر حقیقت کا پیدا ہونا بہت مشکل ہے اس لئے آدمی کو اپنے نفس کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔ [illegible] کہ اللہ والوں کا ہونا محض اللہ کے لئے ہوتا ہے ان کی اپنی کوئی غرض نہیں ہوتی اور دنیا کی کوئی غرض اس میں شامل نہیں ہوتا ہے [illegible] اللہ ہی کے لئے آئے اور اللہ ہی کے لئے گئے۔ بھائی مومن کی زندگی یہ ہے کہ وہ اللہ ہی کے لئے جیتا ہے اور اللہ ہی کے لئے مرتا ہے مگر یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ سے اس کا کامل تعلق پیدا ہو جائے اور جب اصلاح ہو گی اور دل دل بن جائے گا [illegible] پیدا ہو جائے گا تو پھر اللہ کی مرضی کے خلاف وہ چل ہی نہیں سکتا اور اگر بشریت سے نادانی سے بندے سے خطا ہو جاتی ہے تو تضرع و زاری کرکے اللہ تعالیٰ کے سامنے رو کر کے وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیتا ہے۔ دیکھئے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ بندہ جب گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور گریہ و زاری کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں میرے اس بندے کو دیکھو اس سے گناہ تو سرزد ہوا لیکن [illegible] کو کریم سمجھ کر میرے دروازے پر گریہ و زاری کر رہا ہے اور جب وہ بندہ ہو کر [illegible] تو میں کریم ہو کر اس کو کیسے [illegible] کا کچھ تقاضہ ہے اور یہ [illegible]

[illegible] ہم پر بہر کرے اور ہم کو [illegible] عام حال [illegible] مسلمان [illegible] اسراف [illegible] ناجائز اور غلط کاموں میں [illegible] تو کل قیامت کے دن [illegible] بہانے [illegible] کیا۔ بھائی مرنا برحق ہے [illegible] دینا ہے، بہادے اسلاف [illegible]

اس سب اس مضمون کو غیر قرآنی کہہ کر اس کا انکار کر دیا جائے گا؟ گفتگو یہ فرض کر کے کی گئی ہے کہ قرآن مجید میں نزولِ مسیح کا ذکر نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی متعدد آیتوں میں اس کی اطلاع دی گئی ہے لیکن یہ بحث ضمنی طور پر اور اختصار کے ساتھ نہیں کی جا سکتی ـــــ انشاء اللہ آئندہ دوسری صحبت میں اس پر مستقل گفتگو کی جائے گی۔ اس وقت اس سلسلہ میں ہم صرف اتنا عرض کرنے پر اکتفا کریں گے کہ ناظرین میں سے جو حضرات عربی داں ہوں وہ امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کی تصنیف "عقیدۃ الاسلام" کا مطالعہ کریں اور جو حضرات صرف اردو سے استفادہ کر سکتے ہوں وہ حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ کی "شہادۃ القرآن" دیکھیں، یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو فہم سلیم کی نعمت سے محروم نہیں کیا ہے وہ ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ اطمینان حاصل کر لیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیسیوں ارشادات میں حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کی جو خبر دی ہے جو آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جو امت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے اس کی بنیاد قرآن مجید ہی میں ہے۔

(۳) رہی یہ آخری بات کہ امام مالکؒ کی مؤطا میں نزولِ مسیح کے بارے میں کوئی حدیث نہیں ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ حدیث کی سیکڑوں کتابوں میں نزولِ مسیح سے متعلق جو کثیر التعداد حدیثیں ہیں وہ سب ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ اگر یہ حدیثیں صحیح ہوتیں تو امام مالک کو بھی پہونچی ہوتیں اور ان کی مؤطا میں درج ہوتیں۔

فارقلیط صاحب کے ان دانشوروں کی یہ آخری بات اس کی دلیل ہے کہ یہ بیچارے امام مالکؒ کی "مؤطا" کے بارے میں بات کر رہے ہیں اس کی نوعیت سے یہ بالکل ناواقف ہیں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ امام مالکؒ کو جتنی حدیثیں پہونچی تھیں وہ سب مؤطا میں درج ہیں اور جو حدیثیں مؤطا میں نہیں ہیں وہ امام مالکؒ کو پہونچی ہی نہیں یا امامؒ نے ان کو صحیح نہیں سمجھا لہٰذا وہ سب ناقابل اعتبار ہیں ـــــ حدیث کا فن تو بڑی چیز ہے جو لوگ امام مالکؒ سے اور حدیث کی مؤطا جیسی متداول کتاب سے بھی اتنے بے خبر اور ناواقف ہوں حیرت ہے کہ وہ کیوں ان مباحث و مسائل میں دخل دینے کی جرأت کرتے ہیں ـــــ جس کسی نے مؤطا دیکھی ہے وہ جانتا ہے کہ وہ کتب فقہ کی طرح صرف "اعمال" سے متعلق احادیث و آثار اور صحابہ و تابعین کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ ہے، چند حدیثیں اس میں اخلاق و آداب سے متعلق بھی ہیں، اس کے متعلق یہ گمان کرنا کہ امام مالکؒ کا سارا علم حدیث اس میں آ گیا ہے اور جو حدیث اس میں نہیں ہے وہ امام مالکؒ کو پہونچی ہی نہیں یا انہوں نے اس کو صحیح نہیں مانا، حدیث کے فن اس کی کتابوں کی نوعیت اور امام مالکؒ کے مقام سے انتہائی جہالت کی بات ہے۔

مؤطا کا حال یہ ہے کہ اس میں ایمانیات و عقائد کا باب ہی نہیں ہے۔ قیامت اور آخرت کے بارے میں جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں۔ مثلاً ان سے بھی یہ کتاب خالی ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو گا کہ امام مالکؒ ایمانیات، قیامت و آخرت سے متعلق حدیثوں سے ناواقف تھے یا یہ کہ انہوں نے ان تمام حدیثوں کو ناقابل اعتبار سمجھا؟ ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جو اس موضوع سے [illegible] مؤطا کا موضوع [illegible] محدود ہے "ایمانیات اور عقائد" وغیرہ اس کا موضوع ہی نہیں ہے۔

نزولِ مسیح کے مسئلہ سے متعلق فارقلیط صاحب کے مضمون میں جو یہ اصولی باتیں لکھی گئی تھیں، ناظرین کو معلوم ہو چکا کہ اُن کی بنیاد عربی لغت و محاورات اور علوم دین سے جہالت و ناواقفیت پر ہے ـــــ ان کے علاوہ جو اور ضمنی باتیں اسی مسئلہ سے متعلق مضمون میں ذکر کی گئی ہیں خاص کر نزولِ مسیح سے متعلق حدیثِ نبوی کے پورے ذخیرہ کو مشکوک اور ناقابل اعتبار قرار دینے کے لئے جو جاہلانہ منطق استعمال کی گئی ہے، انشاء اللہ اس کا پورا محاسبہ دوسری صحبت میں آئندہ کیا جائیگا۔

فارقلیط صاحب کے ان "دانشوروں" کی اسی مسئلہ نزولِ مسیح کے سلسلہ کی ایک بات اور ذکر کر کے اس بحث کو ہم اس وقت ختم کرتے ہیں، ناظرین کو اس آخری بات سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ جہالت و ناواقفیت کی کس سرحد پر ہیں ـــــ صحیح بخاری کی حدیثوں کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے سلسلہ میں اس مضمون میں لکھا ہے کہ:

"حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں مذکور ہے کہ آپ نے حدیث کو رد کر کے قرآن کے اعلان کو تسلیم کیا اور فرمایا کہ بخاری کی حدیث میں جو راوی ہیں اگر اُن کے جھوٹے ہونے سے خدا کے مقدس نبی حضرت ابراہیمؑ سچے ثابت ہوں تو راویوں کو جھوٹا قرار دینا ضروری ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان "دانشوروں" کی دنیا (بوجھ بجھکڑوں) کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ امام بخاریؒ کے بعد کسی زمانہ میں ہوئے ہیں اور انہوں نے صحیح بخاری کی ایک حدیث کے راویوں کو جھوٹا قرار دیا ہے ـــــ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری امام ابو حنیفہ کی وفات کے قریباً آدھی صدی بعد پیدا ہوئے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔

آخر میں ہم پھر اپنی اس حیرت کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں کہ فارقلیط صاحب نے علم و دانش سے ایسے خالی اور اتنے جاہل و بے خبر لوگوں کو "دانشور" کا معزز لقب دینا کیوں مناسب سمجھا اور ان کی ان بے سر و پا باتوں کو کیوں اس قابل سمجھا کہ ان کو مرتّب کر کے شائع کرنے کی ذمّہ داری خود قبول فرمائی، ہمارے نزدیک تو فارقلیط صاحب نے اپنے ساتھ یہ بڑی زیادتی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو تلافی کی توفیق دے۔

ویتوب اللہ علی من تاب۔

بقیہ صـ۱۲ : سرگرداں ہوئے تو خود مسلمانوں نے انکو پناہ دی، مفتوحین کا ایک گروہ طرابلس گیا (جہاں لاطینیوں کی حکومت تھی) تو انہوں نے ان کو بھگا دیا اور اپنے یہاں جگہ دینے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ مسلمانوں نے ان کو جو کچھ دیا تھا اسے بھی چھین لیا۔

سلطان صلاح الدین کے جنگوں کے واقعات و سلوک جو انہوں نے مغربیوں کے ساتھ کیا افسانہ معلوم ہوتے ہیں اگر خود اہل مغرب سلطان کے ان بلند معیار واقعات پر حیرت و استعجاب کا اظہار نہ کرتا اور اس زندہ و جاوید بہادر کے انوکھے کردار و بلند اخلاقی پر تصویر حیرت نہ بن جاتے تو یہ ممکن تھا کہ ہمارے مؤرخین نے سلطان کے جو حالات لکھے ہیں ان کو مبالغہ پر محمول کیا جاتا۔

خود یورپین مؤرخین سلطان کا یہ حیرت انگیز واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ملک کو (رچرڈ) کی بیماری کی اطلاع ملی جو صلیبی حملوں کا سب سے بڑا اور شجاع قائد تھا، تو سلطان نے اپنے طبیب خاص کو مع ان دواؤں اور میوہ جات کے بھیجا جن کا حصول اس صلیبی قائد کے لئے ممکن نہیں تھا، سلطان اپنے مقابل کے ساتھ یہ برتاؤ اس وقت کر رہا تھا جب کہ دونوں کے درمیان جنگ کا میدان گرم تھا اور دونوں کی فوجیں برسرپیکار تھیں۔

خود یورپین مؤرخین یہ واقعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مغربی عورت سلطان کے خیمہ کے پاس جا کر رونے اور چلانے لگی تصویر نوحہ و ماتم بن کر کھڑی ہو گئی اور سلطان سے شکایت کی کہ سلطان کے دو سپاہیوں نے اس کی گود سے اس کے بچہ کو اچک لیا ہے، عورت کی اس آہ و بکا سے متاثر ہو کر سلطان کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے اور ایک آدمی کو بھیجا کہ بچے کو تلاش کر کے لائے، آدمی کو سپاہی بچہ کو ڈھونڈ کر لایا اور عورت کے حوالہ کیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ایک سپاہی کی نگرانی میں عورت کو مع اس کے بچہ کے اسکی چھاؤنی میں پہونچا دیا گیا، ہماری تہذیب کی ان جیتی جاگتی مثالوں اور بولتی تصویروں کے بعد بھی کوئی کینہ پرور کچھ کہتا ہے تو اس کی عقل پر شبہ کرنا چاہئے۔

سلطان محمد ثانی نے جب قسطنطنیہ کو فتح کیا تو آیا صوفیا کے گرجا گھر میں داخل ہوا، کنیسہ کے لوگ اسی گرجا گھر میں پناہ گزیں تھے، محمد ان پناہ گزینوں سے بڑی اچھی طرح ملا اور انھیں پورا اطمینان دلایا کہ وہ ان کی حفاظت کرے گا، اور جو گھبرائے ہوئے پریشان گرجا میں موجود تھے ان سے کہا کہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں کو چلے جائیں، اس کے بعد اس نے مسیحیوں کے معاملات کو منظم کیا، انھیں ان کے مخصوص گرجا دینی قوانین کی اتباع کا پورا پورا حق دیا، ان کے پرسنل لا میں کوئی دخل نہیں دیا، پادریوں کو اس کا حق دیا کہ وہ اپنے پوپ کا انتخاب خود کریں، چنانچہ انہوں نے (جنادیوس) کو اپنا پوپ منتخب کیا۔ بادشاہ نے اس کے انتخاب پر اسی شان و شوکت کا جلسہ کیا، جس شان کے ساتھ بیزنطینیوں کے زمانہ میں ہوتا تھا، اور پوپ سے کہا کہ تمہیں ہر وقت اور ہر حال میں ہمارا دوست رہنا چاہئے، تمہیں ان تمام حقوق و خصوصیات سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے جو تم سے پہلے پوپوں کو حاصل تھا، پھر اس پوپ کو ایک خوبصورت گھوڑا دیا اور خاص شاہی محافظوں میں سے ایک محافظ اس کے حوالہ کیا، پھر شاہی خواجہ سراؤں نے اسکے لئے جو خصوصی جگہ تیار کی گئی تھی وہاں تک مشایعت کی اور اعزاز کے ساتھ لے گئے، ان سب مرحلوں کے بعد فاتح فرمانروا نے الانبوذ کسی گرجا گھر کے قوانین کے تسلیم کرنے کا اعلان کیا اور ان کو اپنی نگرانی میں رکھا ـــــ!!

دنیا کے لئے اپنی جان اور مال دونوں طرح کی قربانی پیش کی اور دین کی خدمت کے لئے سب کچھ قربان کیا۔ ہم کو بھی چاہئے کہ اس حضرت کی زندگی کو دور کریں، اپنے قلب کو بیدار کریں۔ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھیں اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے دل کو درست کریں، آخرت کی فکر اپنے اندر پیدا کریں۔ ہم ذرا غور کریں اللہ والوں کا کیا حال ہے۔

ایک بزرگ کہیں جا رہے تھے راستہ میں ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت مزاج کیسا ہے؟ فرمایا اس شخص کا مزاج کیا پوچھتے ہو جس کے پیچھے ملک الموت لگے ہوں اور آگے قبر کا گڑھا ہو مجھے نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد مجھ کو جہنم کی طرف بھیجا جائے گا یا جنت کی طرف۔ اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر۔

اسی طرح ایک دوسرے بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت مزاج کیسا ہے تو فرمایا کہ اس شخص کا مزاج کیا پوچھتے ہو جو دریا میں جا رہا تھا کشتی میں بیٹھا ہوا تھا کشتی غرق ہو گئی اب ایک لکڑی کے تختے پر تیر رہا ہے۔ ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے ہیں ایسا معلوم ہوتا کہ اب ڈوبتا ہے اور اب ڈوبتا ہے۔ جانتے ہو اس شخص کا کیا حال ہوگا۔ واقعی جس کے سامنے اللہ کا عذاب ہوگا اور جس کو جہنم کے شعلوں اور انگاروں کا یقین ہوگا اس کا یہی حال ہوتا ہے ہر شخص فرمائیں کہ منطقی ہیں لیکن جس کو یقین ہے کہ اللہ کے سامنے جانا ہے زندگی کا جواب دینا ہے، قیامت میں اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے تو اس کا کچھ اور ہی عالم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فاذا جاءت الطامۃ الکبریٰ یوم یتذکر الانسان ما سعیٰ وبرزت الجحیم لمن یریٰ فاما من طغیٰ وآثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ۔

بھائی دن رات میں جو ہمیں گھڑی گذر جاتے ہیں مہینوں گذر جانے کے بعد ہم کو کبھی تو خیال آوے کہ ہمارے دن رات کیسے گذر رہے ہیں اور یہ کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اگر کسی کو یہ خیال آوے تو مبارک ہے اور اللہ کے سامنے جانے سے جو ڈرتا ہے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تم کو نافرمانی سے بچاتا ہے۔ یہ نہ دنیا والوں میں سے ہے لوگ کہتے ہیں کہ نامعلوم اللہ میاں کس بات سے راضی ہوتے ہیں۔ ارے بھائی اللہ میاں راضی ہوتے ہیں اوامر کی پابندی سے اور نواہی سے اجتناب سے یعنی جن باتوں کا

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو ہم کریں اور جن چیزوں سے روک دیا ہے اس سے باز رہیں حضورؐ کی اصلی محبت یہی ہے ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا، یعنی جس چیز کا رسول تم کو امر کرے اس کو کرو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ ہمارا کوئی کام اللہ اور اللہ کے رسول کی مرضی کے خلاف نہ ہونا چاہئے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے پیسوں کو ناجائز کاموں میں بے دریغ صرف کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان کو اللہ کے سامنے جانے کا خوف ہی نہیں جہاں اس کو جواب دینا ہوگا کہ مال کہاں خرچ کیا، اور اپنی زندگی کس چیز میں صرف کی اللہ والوں کو آخرت کا عذاب اور وہاں کی ہر چیز پیش نظر رہتی ہے۔

خواجہ حسن بصریؒ کو آپ جانتے ہیں کتنے بڑے محدث اور ولی تھے دیکھئے ان کا حال کیا ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ خادم سے پینے کے لئے پانی مانگتے اور جب پانی سامنے آتا تو پیالہ منہ سے ہٹا لیتے اور رونے لگتے تھے لوگ پوچھتے کہ حضرت کیا ہوا تو فرماتے کہ مجھے جہنمیوں کی پیاس یاد آگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ونادیٰ اصحٰب النار اصحٰب الجنۃ ان افیضوا علینا من الماء او مما رزقکم اللہ، قالوا ان اللہ حرمھما علی الکافرین۔ ہمارے بزرگوں کا یہ حال تھا کہ ان کو ہر وقت وہاں کا عذاب مستحضر رہتا تھا اور ہم کو بھول کر بھی جہنم یاد نہیں آتی۔ کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، پھل رہے ہیں، پھر رہے ہیں یہ غم ہے کچھ فکر نہیں۔ بھائی شریعت نے منع نہیں کیا ہے، شادی بیاہ، لینا دینا، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، کاروبار، یہ سب کریں مگر ہماری یہ سب چیزیں اگر اللہ ہی کے لئے ہو جائیں تو سمجھو کہ ہماری زندگی کامیاب زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں زندگی کو کامیاب بنانے ہی کے لئے بھیجا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہاتھ میں اللہ کی کتاب ہو اور دوسرے ہاتھ میں سنتِ رسول ہو اور ان دونوں کی روشنی میں تم راستہ طے کرو تو اللہ تک پہونچ جاؤ گے۔

بس ہم کو چاہئے کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر ظاہری و باطنی ہر طرح کے گناہوں سے بچے۔ ایک تو جسم کا گناہ ہوتا ہے یعنی ہاتھ پاؤں کا، کان کا، زبان کا، اور تمام اعضاء کا اور ایک باطن کا گناہ ہوتا ہے جس کا تعلق قلب سے ہوتا ہے ان سب سے بچیں۔ تصوف اسی کا نام ہے۔ چنانچہ بزرگانِ دین تصوف کی تعریف یہ فرماتے ہیں کہ تعمیر الظاہر والباطن یعنی ظاہر اور باطن

کو اس سے پاک کرنا اور سنوارنا۔ تزکیہ کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جو قلب کے گناہ ہیں مثلاً تکبر، حسد، کینہ، بغض، ریا، حب جاہ، حب مال۔ ان سب امراض کو قلب سے دور کیا جائے۔ حضرت جنیدؒ کے پاس ایک شخص گئے اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہا ایک دفعہ ان سے کہا کہ جس چیز کو میں حاصل کرنے آیا تھا وہ مجھ کو نہیں ملی پوچھا تمہارا کیا مقصد ہے تو کہا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ مجھ کو بھی اجازت مل جائے تاکہ دوسروں کی تعلیم و تلقین کروں۔ فرمایا کہ ابھی سے بڑا بننے کی فکر ہے۔ پھر فرمایا کہ اچھا جاؤ اور بازار میں کھجور کا ایک ٹوکرا لے کر راستے پر بیٹھ جاؤ اور یہ اعلان کرو کہ جو مجھ کو ایک دھول مارے گا اس کو ایک کھجور دیں گے اور جو دو دھول مارے گا اس کو دو کھجور دیں گے اور جو چار دھول مارے گا اس کو چار کھجور دیں گے اسی طرح کھجور تقسیم کرتے رہو جب سب کھجور ختم ہو جائے تب آنا۔ اس نے کہا یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا تو فرمایا کہ تب تمہارا وہ بھی کام نہیں ہوگا۔ حضرت جنیدؒ نے اس تدبیر سے اس کے تکبر کا علاج کرنا چاہا تھا مگر اس نے قبول نہیں کیا۔ تکبر بہت بڑا رذیلہ ہے ہم اپنے اندر غور کریں کہ کبر خواہ علم پر ہو خواہ عبادت پر ہو خواہ حسب نسب پر ہو خواہ مال و دولت پر ہو ہم دیکھیں کہ ہمارے اندر ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کو دور کریں۔ بھائی بڑائی اور کبریائی تو صرف اللہ ہی کو زیب دیتی ہے اور واقعی جب اللہ کی بڑائی دل میں سما جاتی ہے تو آدمی اپنے کو بالکل حقیر سمجھنے لگتا ہے تو جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو اسی کو تواضع کہتے ہیں۔

آج ہمارے اندر بہت سے امراض روحانی موجود ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اسی کا علاج بتلانے اور اس سے پاک کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی سب سے بڑی غرض یہی تھی۔۔ اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین قیامت تک ہوتے رہیں گے جو اس کام کو انجام دیتے رہیں گے ان کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے۔۔ ایسے حضرات کی صحبت میں بیٹھیں۔

بس اب ایک اور بات بیان کر کے میں ختم کرتا ہوں میری تو مولانا کی تقریر سے عجیب کیفیت ہوئی، کچھ بولنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر مولانا ہی کے فرمانے کی وجہ سے بول پڑا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا واقعہ ہے کہ آپ حدیث پڑھا رہے تھے اس میں یہ حدیث آئی کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اس میں بندہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ساعت کب ہوتی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ عصر و مغرب کے درمیان ہوتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خطبہ کی اذان و نماز کے درمیان ہوتی ہے۔ بہر حال وہ ساعت متعین نہیں ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ اگر تم کو وہ ساعت مل جائے تو تم کس چیز کی دعا کرو گے؟ لوگوں نے اپنا اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ بھی فرما دیجئے کہ آپ کیا دعا کرینگے فرمایا کہ میں تو صحبت نیک کی دعا کرونگا کیونکہ صحبت نیک ہی سب کی اصل ہے۔ ساری چیزیں اسی سے ملتی ہیں۔ جب آدمی اس راستے میں لگ جائے گا اور اچھی مجلس میں، اللہ کے ذکر میں اس کو لذت اور حلاوت مل جائے گی تو پھر اگر اس کی گردن پر تلوار اور خنجر رکھا جائے تب بھی وہ چھوڑ نہیں سکتا اس لئے ہم کو چاہئے کہ بس کام میں لگ جائیں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا کریں۔

پرنٹر، پبلشر، مسئول سید محمد حسنی نے ۔۔ نامی پریس سے طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔ اڈیٹر اسحاق جلیس ندوی

ایک محدث و شاعر

سید سلمان حسنی ندوی

وہ ایک عالم تھے، شاعر تھے، محدث تھے، عربی ادب سے اچھا ذوق رکھتے تھے، وہ خاموش، گمنام، اور اخفاء صفتوں کے مالک تھے۔ احادیث کے متن و اسناد کے اچھے حافظ تھے، ہزاروں حدیثیں نوک زبان تھیں۔ وہ بڑے خوش کلام اردو شاعر تھے، الفاظ کی صحت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ان کی شاعری ان کی زندگی کی تصویر ہے۔ غم و درد سے لبریز اور "شب فرقت" میں آبدیدہ۔

دادا شاہ ضیاء النبی صاحب اپنے وقت کے مشائخ اور مرشدین میں تھے۔ ان کا تکیہ رشد و ہدایت کی آباد خانقاہ تھا۔ حافظ سید علیم اللہ آپ کے والد نامدار تھے ۱۳۲۱ھ میں پیدائش ہوئی اور سات سال دادا کے نور و عرفان کی ضیا پاشی دیکھی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی تعلیم حاصل کی، اور بعد میں اپنے طور پر متعدد اساتذہ سے تلمذ کیا، ذہانت خداداد تھی، حافظہ بلا کا تھا، ادبی ذوق فطری تھا۔ ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں کہ اس کم عمری ہی میں دارالعلوم کے ایک جلسہ میں عربی زبان میں تقریر کی مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی نے اس جوہر قابل کو انعام دے کر گویا خراج تحسین پیش کیا۔

لکھنؤ میں اس وقت "اردو" زبان رچتی تھی، بولتی تھی، چہکتی تھی، اس وقت لفظوں پہ بحثیں ہوتی تھیں، شعر و سخن کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، اس ادیب فطرت کی شاعرانہ طبیعت کیوں خاموش رہتی انھی ثاقب لکھنوی اور شمس لکھنوی کی محفل شعر و ادب میں حاضری دی اور شاعری کی برق تخلص رکھا، صحیح کلام اور خاص لکھنؤ کی زبان میں درجہ سند کا پایا۔ قیام زیادہ تر لکھنؤ میں رہتا تھا، اچھا وقت جو گذرتا تھا وہ شعر و ادب کی رنگا رنگ محفلوں میں،

ادب نہ صرف دلچسپ مشغلہ تھا، بلکہ طبعی ذوق تھا، لطافت اور جدت طبع فطری صفات تھیں۔ مشاعروں میں جاتے، کلام و دہن کی لذت خوب خوب اٹھاتے، اور اپنے کلام پر تحسین و آفرین کا خراج پاتے لیکن طبیعت میں استقرار نہ تھا، زندگی صبح کہیں اور شام کہیں کا مجموعہ تھی، اس لئے ہمیشہ گوشہ گمنامی میں رہے۔

کم عمری ہی میں رائے بریلی کے ایک مشاعرہ میں۔۔ جس میں اچھے شعراء موجود تھے، اپنے چند اشعار سنائے، بڑوں نے دل کھول کر تحسین کی، اور سونے کا تمغہ انعام میں دیا گیا۔ ان کا کوئی مجموعہ کلام طبع نہ ہو سکا، صرف ایک مناجات "دعائے مضطر" کے نام سے طبع ہوئی، متفرق اشعار، نظمیں، غزلیں، مسودات کی زینت ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

پھولوں کو تبسم ہے شبنم کو نصیب آنسو — تقدیر کی حکمت ہے بیکار گلہ کرنا
کچھ باشندگان لکھنؤ میں یوں شمار ہوں — برباد ہوں، تباہ ہوں، بے اختیار ہوں
مجھ کو نہ شوق شمع نہ حاجت گلاب کی — میں تو دل فسردہ کا اجڑا مزار ہوں
انکار کون کرتا ہے تیرے ظہور کا — رسوائی کلیم ہے افسانہ طور کا
لے تیری چیز ہے تو مبارک رہے تجھے — یہ کہہ کے پھینک آئے دل آغوش یار میں
کھویا مجھے پھر آپ ہی پوچھا یہ کیا ہوا — دیکھو تو برق ساتھ ابھی تھے کدھر گئے

"شب فرقت" بھی متعدد نظموں کا مجموعہ ہے، عجب اثر انگیز اور غم انگیز۔ مختصر سی بحر میں ایسی برجستگی اور روانی ہے

کوہ کنی فرہاد کی دیکھی — تیغ زنی جلاد کی دیکھی
قید قفس صیاد کی دیکھی — مشکل غم ناشاد کی دیکھی
ڈھونڈھ پھرے ہم سارا زمانہ
پایا نہ لیکن تیرا ٹھکانہ

ابتدائی دور کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

وقت زینت آئینہ پیش نظر تھا، شانہ تھا — کوئی چھوتا آ کے گیسو یا کوئی دیوانہ تھا
کیا سمجھتا کوئی تبسم کے نظر اٹھنے کا راز — رک کے چلنا تیر کا اک طرز معشوقانہ تھا
ہاتھ سے ساقی کے پاتے اور کیا تشنہ کام — پھوٹی قسمت میں لکھا ٹوٹا ہوا پیمانہ تھا

ایک صاحب کو کسی کارگزاری کے انعام میں ایک چاندی کا گلاس ملا، وہ برق صاحب کے پاس آئے اور درخواست کی کہ ایک ایسا مناسب حال شعر کہہ دیں جو اس گلاس پر نقش کیا جا سکے، برق صاحب نے فی البدیہہ یہ شعر نظم کیا

ظرف عالی آپ کا یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر — ایسی سستی چاندنی چاندی کا ساغر ہو گئی

زندگی کا ایک تو یہ رخ! اور دوسرا رخ حدیث شریف سے شغف کا ہے۔ مولانا عبدالرحمن بستوی سے جن کا مدتوں رائے بریلی قیام رہا۔ حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی۔ اسی زمانہ میں حدیث کی کئی کتابیں مع اسناد کے زبانی یاد کیں۔ موطا امام مالک، مسلم شریف و بخاری شریف کی اکثر حدیثیں یاد کر لیں، ان احادیث کو وہ اپنے خاص لہجہ میں پڑھتے اور ان کا ورد رکھتے، اخیر تک یہ سلسلہ رہا۔ اخیر زمانہ علالت میں اکثر اوقات تکیہ کی مسجد میں گذارتے، مسجد کے جانب جنوب روضہ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور مولسری کے درخت کے درمیان فرش پر بیٹھ جاتے، اور بخاری شریف کی تلاوت خاص درد اور دلسوزی سے کرتے، ابتداءً مسلک اہل حدیث میں تشدد رکھتے تھے، تکیہ کے علم و صحبت و تعلیم کا اثر پڑا کہ یہ بھی غیر مقلد ہو گئے، تشدد کے ساتھ عدم تقلید کی وکالت کرتے اپنے ماحول میں وہ منفرد اور انفرادی مسائل کے ہمنوا، لیکن اخیر میں یہ تشدد جاتا رہا، علماء و مشائخ سے تعلق قائم کیا، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری سے روحانی تعلق ہوا، اکثر خدمت میں حاضری دیتے رہے، ان کے تلقین کردہ اوراد و اذکار کے پابند ہو گئے۔

علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا۔ مکہ مکرمہ میں رہ کر کچھ دنوں مدرسہ صولتیہ میں تعلیم دی۔ ذہنی نازک مزاجی، اور غیر مستقر طبیعت کی بنا پر کوئی ذاکر نہ چھوڑا۔ ... سے غرض تعلیم ندوۃ العلماء آئے تھے، انہوں نے مولانا موصوف کے پاس قرأت و سماعت حدیث کی مولانا نے انہیں اپنے ہاتھ سے عربی میں اپنے خاص ادبی انداز سے سند لکھ کر دی۔ مراکش کی ... کانفرنس کے موقع پر شاہ مراکش نے آپ کو دعوت دی آپ مراکش گئے اور چند روز قیام کر کے واپس تشریف لائے۔

آخر میں لکھنؤ میں ہومیو میڈیکل مطب کرنے لگے تھے، علیل ہوئے اور رائے بریلی گوشہ نشین ہو گئے، علالت نے شدت اختیار کی تو لکھنؤ لے آئے گئے، ۲۰ جون ... کو شب میں صبح ... ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے مکان پر وفات پا گئے، یہ ورد حدیث کی برکت تھی کہ دیکھنے والا کہتا تھا کہ حدیث محو استراحت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔

"آسماں اس کی لحد پہ شبنم افشانی کرے"

نعش دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی لائی گئی اور ایک پاک نفس، اللہ کے ولی یعنی اپنے دادا شاہ ضیاء النبیؒ کے نزدیک سپرد خاک کئے گئے۔

اس بے سر و سامان نے مادی یادگار کوئی نہ چھوڑی جو معنوی یادگاریں مجموعہ ... ان کی مگر شب "تسوید" کو صبح "تبلیغ" نصیب نہ ہوئی۔ ان کی معنوی یادگاریں سب ذیل ہیں:

(۱) تأثرات (۲) موز فقرہ (۳) گردش روز گار (۴) حل مشکلات الحدیث (۵) ... (غیر مرتب) (۶) دعائے مضطر (۷) نوادر (۸) علم غیب (۹) شب فرقت۔

صرف "دعائے مضطر" کتابچہ کی صورت میں طبع ہوئی تھی، خدا اس "مضطر" کو جس نے ... اپنی مغفرت و رحمت سے اسے ڈھانپ لے۔

ان محدث و شاعر کا نام نامی تھا "مولانا سید ابو الخیر حسنی"۔

غزل

مجیب بستوی

بظاہر آدمی کا آدمی سے کام چلتا ہے — منظم اتحادِ باہمی سے کام چلتا ہے
بس اک نام خدا باقی رہا وجہ سکون دل — بہر صورت بہر لمحہ اسی سے کام چلتا ہے
غم دوراں کا کیا ہو تذکرہ کیسا غم جاناں — مرا تو بس غم ہمرہی سے کام چلتا ہے
منور شمع ایماں مسلسل قلب مضطر میں — سیہ بختی میں جس کی روشنی سے کام چلتا ہے
اگر ہے عشق گلشن امتیاز خار و گل کیسا؟ — کہیں گلشن میں بیگانہ روی سے کام چلتا ہے
جنوں کیا ہے خرد کے واسطے اک رہبر کامل — خرد کا بھی جنوں کی رہبری سے کام چلتا ہے

شب فرقت میں جب کوئی مجیب اپنا نہیں ہوتا
تو پھر ایسے میں شعر و شاعری سے کام چلتا ہے

عہد رسالت و تاریخ کے تابندہ نقوش

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

تحریر: مصطفےٰ لسباعی ——— تلخیص و ترجمہ: شمس الحق ندوی

ہماری جانباز و کامیاب فوجوں نے جس وقت حمص، دمشق اور دیگر شامی شہروں کو فتح کیا تو وہاں کے باشندوں سے ان کو راضی و خوش کر کے ان سے جزیہ لیا کہ وہ ان کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور ان کی طرف سے دفاع کریں گے، لیکن جب ہرقل نے اپنی تمام فوجوں کو جمع کر کے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کا منصوبہ بنایا اور اس کی فوجیں ایک مرکز پر اکٹھا ہوئیں تو ہمارے جرنیلوں نے یہ مناسب سمجھا کہ مفتوحہ ممالک کو خالی کر کے کسی ایک مقام پر اپنی طاقت کو مجتمع کر لیں، جہاں سے وہ ہرقل کے مقابلہ کے لئے اتریں۔ اس پلان کے تحت انہوں نے حمص، دمشق اور دوسرے شہروں کو خالی کر دیا۔ مگر شہر چھوڑنے سے پہلے خالد بن ولید نے حمص کے لوگوں کو، اور ابو عبیدہؓ نے اہل دمشق کو اسی طرح دوسرے شہروں کے سپہ سالاروں نے وہاں کی رعایا کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ ہم لوگوں نے تم سے اس بنیاد پر جزیہ لیا تھا کہ تمہاری حفاظت کریں گے، تمہاری طرف سے دفاع کریں گے، مگر اس وقت ہم تمہارا ملک چھوڑ رہے ہیں، اب تمہاری حفاظت ہمارے لئے ممکن نہیں، لہٰذا یہ تمہارا مال ہم کو واپس کرتے ہیں۔ دیکھ کوئی مفتوحہ قوم فاتح قوم سے خوش و مطمئن ہوتی ہے مگر یہ لوگ مسلمانوں کے اس اخلاق اور بے مثال کردار سے ایسا متاثر ہوئے کہ انہوں نے کہا کہ خدا تمہاری مدد کرے اور تمہیں پھر واپس لائے، خدا کی قسم تمہاری حکومت و عدل و انصاف رومیوں کے ظلم و ستم سے کہیں زیادہ محبوب و پسند ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اگر آج تمہاری جگہ وہ ہوتے تو وہ ہماری کوئی چیز واپس نہ کرتے بلکہ جتنا کچھ لے جا سکتے لے جاتے، بالکل اسی طرح جیسے کہ آج کل ہمارے موجودہ عہد کی فوجیں کرتی ہیں کہ جب کسی شہر کو چھوڑنے پر مجبور ہوتی ہیں تو اس کو اس حال میں نہیں چھوڑتیں کہ دشمن اس سے کچھ بھی فائدہ اٹھا سکے (بلکہ اس کو تاراج اور تباہ و برباد کرتی جاتی ہیں) کیا اسلامی تاریخ کے علاوہ کہیں اور آپ کو اس کی مثال نظر آتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اگر مجھے بلند کردار اور اس کی قوت و غلبہ پر یقین و ایمان نہ ہوتا اور خدانخواستہ کہیں میں ان لوگوں میں سے ہوتا جو اصول و حقائق کو سیاسی مقاصد کے تابع کر دیتے ہیں (جیسا کہ ہمارے زمانے کے سیاسی لوگ کرتے ہیں) تو حاکم [illegible] کہتا کہ ہمارے سپہ سالار اصول و ضوابط اور بلند کرداری کو اپنانے میں غفلت و بے توفیقی کی حد کو پہنچ گئے تھے۔ مگر نہیں! وہ ایسے کامل تھے ان کو یہ گوارا نہ تھا کہ ایسی بات کریں اور ایسا عہد و میثاق کریں جس پر عمل نہ کر سکیں۔

[illegible] تاتاری حملوں کے زمانے میں بہت سے مسلمان، یہودی اور نصرانی تاتاریوں کی قید میں آ گئے، تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے قیدیوں کے سلسلہ میں مداخلت کی اور امیر لشکر کو ان کی رہائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں امیر لشکر صرف مسلمانوں کو چھوڑنے پر تیار ہوا، یہود و نصاریٰ کی رہائی منظور نہ کی۔ تو امام ابن تیمیہؒ نے انکار کر دیا، اور فرمایا ان تمام لوگوں کو چھوڑنا ضروری ہے جو ہے ہمارے ذمی ہیں ہم [illegible]

ہے جو ہمارے ذمی ہیں، وہ یہودی ہوں کہ نصرانی، ہم ایک قیدی بھی قید میں نہ رہنے دیں گے چاہے وہ مسلمان ہو یا ہمارا ذمی ہو (اس وفاداری کی مثال اسلامی تاریخ کے علاوہ کہیں اور مل سکتی ہے؟)

قرون وسطیٰ میں اہل مغرب نے ہم پر جو صلیبی حملے کئے ان جنگوں کا بھی حال آپ کو کچھ معلوم ہے؟ آپ نے سنا کہ ہم کسی وفاداری کا ثبوت دیتے اور کتنا وہ دھوکہ و فریب کرتے، ہم انہیں معاف و نظر انداز کرتے اور وہ بدلہ لیتے، ہم ان کی حفاظت کرتے اور وہ ہمارے خون میں گھٹنے گھٹنے ڈوب کر خوش و لطف اندوز ہوتے۔

دوسرے حملے میں صلیبی معرۃ النعمان پہونچے اور اس کا سخت محاصرہ کر لیا حتیٰ کہ اس کے باشندے سپر انداز ہونے پر مجبور ہو گئے اور جب سپہ سالاروں سے جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کے قطعی وعدہ پر انہوں نے ہتھیار ڈال دیا تو صلیبیوں نے شہر میں داخل ہو کر ایسی بربریت و درندگی کا ثبوت دیا کہ جس کے خوف و ہیبت سے بچہ بھی بوڑھا ہو جائے۔

اس بربریت کے نتیجہ میں قتل ہونے والے عورتوں مردوں اور بچوں کی تعداد کا تخمینہ اس جنگ میں شریک خود بعض انگریزوں نے ایک لاکھ کا لگایا ہے، اسی خونریزی کے ساتھ وہ بیت المقدس تک بڑھتے گئے اور اس کا بہت سخت محاصرہ کر لیا، قدس کے باشندوں کو اندازہ ہو گیا کہ وہ مغلوب ہو جائیں گے تو مجبور ہو کر لشکر کے سپہ سالار (ٹنکرڈ) سے جان و مال کی امان طلب کی، امان طلب کرنے پر قائد لشکر نے اہل قدس کو اپنا جھنڈا دیا کہ وہ اس کو مسجد اقصیٰ پر لہرا کر اس کے نیچے جمع ہو جائیں تو ان کی ہر چیز محفوظ ہو گی پھر جب وہ لوگ مسجد اقصیٰ میں جمع ہو گئے تو صلیبیوں نے شہر میں گھس کر اس بے دردی سے لوگوں کو ذبح کیا ہے اور درندگی کی ایسی مثال قائم کی ہے کہ انسان ششدر دم بخود رہ جائے۔

قدس کے لوگوں نے مسجد اقصیٰ میں پناہ لی جس کے اوپر امان کا جھنڈا لگا ہوا تھا۔ جب بوڑھے بچے اور عورتیں سب جمع ہو گئے تو بھیڑ بکریوں کی طرح ان کو ذبح کیا گیا، مسجد کے اندر خون بہا اور اس طرح بہا کہ سوار کے پاؤں گھٹنوں تک خون میں ڈوب گئے۔ شہر کے تمام لوگ تہ تیغ کر دئے گئے، آبادی صاف ہو گئی، شہر کی سڑکیں اور راستے انسانی سروں، کٹے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں اور بگڑی ہوئی لاشوں سے بھر گئے، ہمارے مورخوں کا بیان ہے کہ صرف مسجد اقصیٰ کے مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی، جس میں ایک بڑی تعداد علماء، عباد، ائمہ اور زاہدوں کی تھی، عورتوں بچوں کا تو ذکر ہی کیا، ان خون آشام داستانوں اور انسانیت سوز واقعات کا انکار انگریز مورخ بھی نہیں کرتے بلکہ ان میں بہت سے لوگ تو اس کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔

پھر دیکھئے اس خون خرابہ کے نو سال بعد جب

مسلمان سپہ سالار سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو فتح کیا تو اس نے کیا کیا؟

فتح کے وقت قدس میں ایک لاکھ سے زائد مغربی قوم کے لوگ موجود تھے، ان سب کے جان و مال کو امان دے دی، اور انہیں ایک معمولی رقم ادا کر کے وہاں سے چلے جانے کی اجازت مل گئی۔ یہ رقم بھی صاحب استطاعت لوگوں سے طلب کی گئی معذورین اس سے مستثنیٰ تھے، یہاں سے نکلنے کے لئے ان کو چالیس دن کا موقع دیا۔ چنانچہ ۸۴ ہزار مغربی اپنی قوم عکا اور اس کے علاوہ ملکوں کے لوگوں سے جا ملے، بہت سے ناداروں کو بلا فدیہ کے چھوڑ دیا گیا، صلاح الدین کے بھائی الملک العادل نے دو ہزار آدمیوں کا فدیہ خود ادا کیا اور عورتوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ جس کی توقع آج کی متمدن دنیا میں زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ ملک کے فرمانروا سے نہیں کیا سکتی ہے۔

جب انگریز پادری نے نکلنے کا ارادہ کیا تو اس کو نکلنے کی اجازت دیدی اور وہ اس شان سے نکلا کہ اس کے ساتھ گرجوں، الصخرہ، الاقصیٰ، القیامہ کا اتنا سامان تھا کہ شمار مشکل ہے، صلاح الدین کے بعض مشیر کاروں نے یہ رائے دی کہ وہ اس بے شمار مال کو لے لے، سلطان نے اسکی بات سنکر کہا کہ (میں اس کے ساتھ دھوکہ نہ کرونگا) اس سے بس اتنا ہی لیا جتنا کہ دوسرے لوگوں سے لیا تھا، اس انسانی کردار کے کمال میں جو فتح بیت المقدس کے وقت صلاح الدین نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا یہ بات اور بھی اضافہ کر دیتی ہے کہ اس نے تمام مغربیوں کو جو قدس سے نکالے گئے تھے ان کو ان کے ہم قوموں سے ملنے کی اجازت دیدی جو ان کی حمایت کریں یا ان کو صور و صیدا کے صلیبیوں تک حفاظت کے ساتھ پہونچا دیں جبکہ صلاح الدین انہیں لوگوں سے برابر برسر پیکار رہتا تھا۔

کیا آپ اس طرح کا واقعہ سن کر اپنے اعصاب کو قابو میں رکھ سکتے ہیں؟

اس سے آگے کی بات سنئے، بہت سی عورتوں نے جنہوں نے جزیہ ادا کیا تھا اکٹھا ہو کر سلطان کے پاس گئیں، اور یہ درخواست کی کہ وہ یا تو قیدیوں میں سے کسی کی بہن، بیوی، ماں یا بیٹی ہیں، یا ان سپاہیوں کی جو جنگ میں مارے گئے اب ان کا کوئی کفیل ہے نہ کوئی ٹھکانا، سلطان نے ان کو روتے ہوئے دیکھا تو متاثر ہو کر خود بھی رونے لگا، اور قیدیوں میں ان کے آدمیوں کو تلاش کرنے کا حکم دیدیا جو لوگ ملے ان کو ان کی عورتوں کے پاس بھیجدیا گیا اور جنکے گھر والے قتل کئے جا چکے تھے ان کو بہت مال دیا، اور ان پر ایسی نوازش کی کہ وہ جہاں پہنچیں اسکے احسان کا گن گائیں، اس کے بعد جن لوگوں کو آزاد کر دیا تھا اس بات کی اجازت دیدی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر اپنے صور اور عکا میں پناہ لینے والے بھائیوں کے پاس چلے جائیں۔

ہمارے فاتح نے تو مفتوحین کے ساتھ حسن سلوک کی یہ مثال قائم کی، ادھر اس مغربی قوم کا یہ حال تھا کہ قدس فتح ہونے کے بعد جب کچھ غریب مغربیوں نے انطاکیہ کا رخ کیا جو انہیں کے بھائیوں کے زیر اثر تھا تو یہاں کے صلیبی حاکم نے ان کو لینے سے انکار کر دیا جب یہ پریشان و ([illegible])

امریکی مسلمان

ایلیجا محمد اور اس کی تحریک "المسلمون السود"

عربی سے ترجمہ: ——— گلاب حسین۔ متعلم ندوہ

امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد فی الوقت ۵ لاکھ سے زائد ہے جنمیں وہ مہاجرین بھی ہیں جنہوں نے مختلف اسلامی [ملکوں] کو خیرباد کہہ کر امریکہ میں سکونت اختیار کی ہے اور نصف یا نصف سے زیادہ وہ امریکی مسلمان ہیں جو قبل ازیں عیسائی یا یہودی، اور اکثریت امریکی نیگرو یا کالے لوگوں کی ہے۔ چونکہ امریکی آئین میں مذہبی آزادی ہے لہٰذا ممکن ہے کہ یہ تحریک ۹۰ فیصد سے بھی زائد کی نمائندہ ہو جاوے۔

اور امریکی حکومت ان مسلمانوں کے خلاف کسی ڈائرکٹ قانون کی مجاز نہیں لیکن بسا اوقات امریکی حکومت یا دوسری کوئی تنظیم جب مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہتی ہے تو اس کو بالواسطہ راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے، بروقت امریکہ میں صحیح اسلامی تبلیغ کی سب سے بڑی روک ایلیجا محمد یا الیاس محمد کی تحریک ہے جسے عالم اسلام "المسلمون السود" کے نام سے جانتا ہے۔

افسوس ہے کہ بعض مسلمان ایسے بھی ہیں جو اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے دعا کرتے ہیں حالانکہ وہ اس کے بارہ میں کچھ بھی علم نہیں رکھتے اور نہ وہ اس تحریک کے ان کرداروں ہی سے واقف ہیں جو صحیح مذہب اسلام کی اشاعت کے خلاف ولایات متحدہ امریکہ میں اس تحریک نے انجام دیا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم خوب ذہن نشین کر لیں کہ الیاس محمد کی جماعت اسلام کی نمائندگی نہیں کرتی اور نہ اس کے اراکین مسلمان کہے جانے کے مستحق ہیں، الیاس محمد رسول ہونے کا مدعی ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ توریت میں جو الیاس نامی نبی ہیں اور قرآن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی وہ نمائندگی کرتا ہے۔

اس مردود کذاب کی تعلیم جنسی اور نسلی ہے۔ اس کی تعلیم میں سے یہ ہے کہ گورے انسان شیطان اور کالے معبود مستحق عبادت ہیں اور یہ بھی سکھاتا ہے کہ خدا و تد قدوس ایک نیگرو کی شکل میں امریکہ دیٹروٹ نامی شہر میں اس کے پاس آیا اسلام اور اسرار مغیبات کے متعلق تمام چیزوں کے علوم سے نواز دیا۔

یہ مدعی باطل آخرت کے وجود کا منکر ہے اور اپنے معتقدین و حلقہ بگوشوں کو قرآن پاک کی تلاوت کا روادار نہیں، قرآن کی بعض آیات کو ایک کتاب میں جمع کر رکھا ہے اور اس کا نام قرآن الیاس محمد رکھے ہوئے ہے، اور اکثر وقت انجیل و توراۃ کا سہارا لیتا ہے۔

الیاس محمد کسی گورے کو اپنی جمعیت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا اور ہر وقت تو ہر کالے کا بھی داخلہ ممنوع ہے۔ الیاس محمد اور اس کے جگری دوست رفقاء ہی اس کمیٹی میں داخل ہونے والوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ وہ فقط ایک خاص نوع کے لوگوں کو چاہتا ہے جو اس کے ہر امر و نہی پر آمنا و صدقنا کہیں اور اس جماعت کے تمام منظور شدہ عقائد پر بلا جھجک و بلا دلیل ایمان لادیں اور بالکل اندھی تقلید پر تلے ہوں، عالم اسلام میں بعض مسلمانوں کو بھی الیاس محمد کے ساتھ حسن ظن ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر الیاس محمد اسلام کی حقیقت سے آگاہ اور اس کی صحیح تعلیم سے روشناس ہو جائے تو مشرف باسلام ہو جائے گا اور اسلام کی خدمت اور اس کی اشاعت کا ولایات متحدہ امریکہ میں ایک داعی کا رتبہ حاصل کرے گا۔

بہت سے لوگوں نے اس مدعی کذاب سے اس کے مکان یا اس کے مرکز شکاگو وغیرہ میں ملاقات کی لیکن یہ ملاقات بے نتیجہ رہی یہ شخص قبل ازیں اسلام حقیقی ہی کی تعلیم دیتا تھا لیکن عمل اس تعلیم کے بالکل برعکس کرتا تھا۔ الیاس محمد انہیں لوگوں میں سے ہے جو قادیانی تحریک میں رہے اور رشد کے درمیان داخل ہوئے اس وقت اپنی تحریک "المسلمون السود" کی داغ بیل نہیں ڈالی تھی۔

میری رائے ایک امریکی مسلمان ہونے کی بنا پر یہ ہے کہ امریکی مسلمانوں کے نزد مختلف اسباب کی بنا پر صحیح اسلام کی تبلیغ کے بارہ میں سب سے بڑا روڑا الیاس محمد ہے منجملہ ان اسباب کے یہ بھی ہے کہ وہ اسلام کی نمائندگی ایک عامی نیگرو یا اسی کے مثل دوسرے امریکی کی طرح کرتا ہے لہٰذا جب امریکی اسلام یا اس دین حنیف کے بارے میں سوچتا یا قدم رکھنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے ناقص تعلیم کا تصور اس کے ذہن میں آجاتا ہے۔ دوسری وجہ غالباً اس سے اہم یہ ہے کہ الیاس اور اس کے متبعین سچے امریکی نیگرو مسلمانوں پر برابر ظلم و تشدد کرتے رہے ہیں اور دباؤ ڈالتے رہے ہیں مثلاً گذشتہ سال ہی کے ہاتھوں (الیاس محمد کی جمعیت کے ہاتھوں) ایک امریکی نیگرو مسلمان شہید و مقتول ہوا شہید ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس مقتول کے گھر کا مالک و متعلق کی شرکتوں پر اسلامی دعوت دیا کرتا تھا ایک مرتبہ برسر عام یوں کہا کہ الیاس محمد اسلام کی نمائندگی نہیں کر سکتا اور اسلام کی حقیقی تعلیم کو

اور نشے ہے اور بعض خطوط الیاس محمد اور اسکی انجمن کے سرغنہ لوگوں کے نام بھیجا جس میں لکھا کہ ایک محمد ایک جھوٹا کذاب، مردود شیطان ہے وغیرہ وغیرہ اور مسلمانوں کو اسلام کی دعوت دی اس کے بعد اس مسلم مجاہد کے مکان پر الیاس محمد کی جماعت کے آدمیوں نے دھاوا بول دیا اور اس مرد مجاہد کی بیوی تین لڑکیاں ایک نوجوان لڑکا اور تین چھوٹے بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یہ کوئی حادثہ تو نہیں یہ بات تو مشہور ہے کہ جب کوئی اس کے عقیدہ متبعوں میں سے صحیح دین اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ خود اور اسکا خاندان اس جماعت کے ہاتھوں معرض قتل میں آجاتا ہے اور یہ واقعہ مشہور ہی ہے کہ ملکم ایکس (مالکم ایکس) اسی جماعت کے ہاتھوں قتل ہوئے وجہ یہ تھی کہ پہلے وہ اس تحریک کے رکن رکین خاص تھے پھر اسے چھوڑ کر ایک سچے پکے مسلمان ہو گئے اور فریضہ حج ادا کر کے امریکہ میں صحیح دین اسلام کی دعوت دینے لگے اور الیاس محمد کی جھوٹی تعلیم سے نجات کی طرف لوگوں کو بلانے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی جماعت نے شہید کر دیا جیسا کہ ابھی گذرا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکی سیاسی اور اسلامی سرگرمی نیگرو امریکی کے نزدیک قتل کا سبب بنی۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود حکومت نے اس جماعت کو ملکم مالک کے خلاف ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کیا ہو۔

ہر فرد مسلم پر فرض ہے کہ وہ اس تحریک کی حقیقت کو جانے اور امریکہ میں اسلام کے خلاف جو اس نے رول ادا کیا ہے اسے پہچانے اور نیز یہ بھی فرض ہے کہ اس تحریک کو ہرگز کامیاب نہ ہونے دیجئے۔ کیونکہ یہی امریکہ میں اسلام کے خلاف سب سے بڑی روک ہے اور اسی ناپاک تحریک کے ہاتھوں بہت سے کتنے امریکی سچے داعی اسلام بھائیوں کا خون بہایا گیا۔

(الوعی الاسلامی بحوالہ الجامعۃ الاسلامیۃ)

غزل

نواب محمد صابر علی خاں صابر

گہے بغمزہ گہے بعشوہ گہے مرا تو نیاز کشتی
گہے بدور شراب کشتی گہے بحال نماز کشتی

کیا جو دعوائے خون ہم نے تو داد انصاف خوب پائی
کہ قاضی شہر داد فتویٰ مرا بوجہ جواز کشتی

نہ بچ سکا کوئی ضرب حسن ازل کے زخموں کی تاب لاکر
گہے بعرفان ذات کشتی گہے ز حسن مجاز کشتی

کبھی محبت میں جان لے لی کبھی فدا اپنی ذات کر دی
گہے بحشمت بطرز شیریں گہے بطور ایاز کشتی

کہیں ہے ایوب کا فسانہ کہیں ہے منصور کی کہانی
گہے بصبر و شکیب کشتی گہے بافشائے راز کشتی

کبھی زلیخائے مصر بنکر کبھی سیائے یمن کی صورت
گہے بجاہ و وقار کشتی گہے بعجز و نیاز کشتی

وفا کا صابر صلہ ہے اعلیٰ جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں
گہے براوج صلیب کشتی گہے بدار فراز کشتی

اُردو شاعری میں طنز و مزاح

ذکر اللہ خاں، متعلم دار العلوم

ظرافت کا لفظ اُردو میں ایک وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے جس میں ہزل، ہجو، فحاشی، ضلع جگت، فقرہ بازی، پھبتی، لطیفہ اور تمسخر وغیرہ اسی قبیل کے تمام اقسام شامل ہوتے ہیں۔

ظرافت کی تعریف مختلف لوگوں نے مختلف انداز سے متعین کی ہے۔ آسکر وائلڈ کا خیال ہے کہ "اگر کسی سے سچی بات کہلوانی ہو تو اسے ایک نقاب دیدو" ظرافت اسی طرح کا ایک نقاب ہے، دانشؔ نے اس کی تعریف میں Sence in none Sence (بے تکی بات میں تک کی بات) کہہ کر اس کی عمومیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے، چسٹرٹن کے الفاظ میں "ایک سور کو اس سے بھی زیادہ مکروہ صورت میں پیش کرنا طنز و تضحیک ہے"

اُردو غالباً دنیا کی تمام اہم زبانوں میں سب سے زیادہ نو عمر زبان ہے، اس کے باوجود اپنی کمسنی ہی میں ترقی کے منازل اس قدر طے کئے جو حیرت انگیز بھی ہے اور حوصلہ افزا بھی، دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اُردو میں بھی ظرافت نظم کے راستے سے داخل ہوئی، عروس ادب کے گلے میں سب سے پہلے شوخی و شگفتگی کی مالا اساطِ نظم ہی نے ڈالی،

اُردو ادب میں اگر طنزیہ شاعری کا تاریخی جائزہ لیا جائے تو پوری شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، پہلا دور جعفر زٹلی سے شروع ہو کر سوداؔ پر ختم ہوتا ہے جس میں سوداؔ اپنے دور کے مسلم الثبوت استاذ تسلیم کئے گئے ہیں، بلکہ پروفیسر رشید احمد صدیقی کے خیال میں صرف سوداؔ ہی ظرافت کا نمونہ ہیں، دوسرا دور سوداؔ کے بعد سے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد تک کا ہے، اس دور کے طنز و مزاح کی دستار غالبؔ کے سر پر بھلی لگتی ہے، تیسرا دور اودھ پنچ کے مزاح نگاروں کا ہے، جن میں اودھ پنچ کے اوڈیٹر سجاد حسین، اکبر الہ آبادی، سرشار، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، پنڈت تربھون ناتھ ہجرؔ، شہباز، جوالا پرشاد برقؔ اور ظریف لکھنوی کافی شہرت یافتہ ہیں، چوتھا اور جدید مزاح نگاروں کا ہے، اس دور میں اگرچہ مزاحیہ شعراء کی ایک پوری فوج موجود ہے، مگر ان کے ہاں وہ ادبی چاشنی اور خصوصیت نہیں پائی جاتی جو ان کے پیشرو شعراء کا طرۂ امتیاز تھی۔

اردو کا سب سے پہلا ظریف شاعر جعفر زٹلی کو تسلیم کیا گیا ہے، ان کے دور میں فارسی کا چلن عام تھا نیز اُردو ادب میں طنز و مزاح کو اس کا صحیح مقام نہیں دیا گیا تھا اس لئے ان کے کلام میں طنز و مزاح بھی کم ملتا ہے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو، اپنی بیوی کی ہجو بیان کرتے ہیں ؎

کھول گھونگھٹ کیا دیکھوں بیچ — دھنیت بیٹھا گھونگھٹ بیچ
کھونسی کھانسی لنڈی منڈی — منھ ایسا جوں سانپ کی کنڈی
بالوں کا کیا کروں احوال — جیسے خچر کا ہوئے ایال
ہونٹوں کا کیا کروں بیان — جیسے کہ نانبائی کی نان
بات کہے تو نہ آئے بول — جیسے بولے بھور ڈھول

سوداؔ جو دور اول کے مسلم الثبوت استاذ ہیں ایسے دور میں چمکے جب کہ سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی۔ غم جاناں اور غم دوراں نے انھیں چڑچڑا بنا دیا تھا، اسی وجہ سے ان کی شاعری ہجو کے ہجوم میں کھو گئی، مگر ان کی ہجو میں بھی مضمون آفرینی اور بات میں بات پیدا کرنے والی خوبی موجود ہے مگر فکر کی شدت ظرافت کی شگفتگی پر اس طرح غالب آجاتی ہے کہ شگفتگی باقی ہی نہیں رہ جاتی ہے، گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

لنگڑی پہنچے پر ہے اب گزراں — معدہ اس کا ہے مرجع کاسنگراں
سنگ ریزے تک نہ اس سے بچے — معدے میں تو اس کے پہاڑ پچے
گھر میں اب جس کے دیکھ کر گھوڑے — در پہ اس کے بیٹھے یوں اڑے
کھانا آوے تو اس طرح ٹوٹے — جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے

سوداؔ کے بعد نظیر اکبرآبادی کا نمبر آتا ہے جن کو بعض شعراء اور قدیم تذکرہ نگاروں نے شاعر ہی تسلیم نہیں کیا، رشید احمد صدیقی کے نزدیک وہ چھچھورے بازاری شاعر تھے اور صحیح معنوں میں وہ ایک عوامی شاعر تھے، فرقت کاکوروی مرحوم نے سچ لکھا ہے کہ ان کی شاعری ایک ایسے قد آدم آئینہ ... ہے جس کو چورا ہے پر نصب کر دیا ہو اور اس میں ہر آنے جانے والے کا عکس اترتا ہو... حقیقی دنیا و حقیقت اور متانت و ظرافت گلے ملتے نظر آتے ہیں، وہ سادہ الفاظ اور عام فہم انداز ... آدمی نامہ ... ان کی خاص ...

نظمیں کہی جا سکتی ہیں۔ آدمی نامہ کا ایک بند ملاحظہ ہو ؎

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں — بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں — اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں

انشاؔ کو بھی ظرافت میں ایک مقام حاصل ہے، وہ نظیر کے ہمعصر ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی ان کے ہم پلہ ہیں، بلکہ نظیر کے یہاں جو زبان، محاورے، تغیر اور ردیف و قوافی کی کمزوریاں ملتی ہیں اس سے انشاؔ کا کلام پاک ہے مگر ان کے مزاحیہ کلام میں سوداؔ کی ہجویات کا رنگ جھلکتا ہے، چند متفرق اشعار ملاحظہ کریں ؎

جی چاہتا ہے شیخ کی پگڑی اُتاریئے — اور تان کر چٹاخ سے ایک دھول ماریئے
یہ جو بوڑھا سا ہے دربان تمہارا اے کاش — کوئی چور آوے اور اسکی گردن مار دے
کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر — فعل بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر

بڑی داڑھیوں پر نہ جائے دلا یہ سب آہوؤں کے ہیں مبتلا
یہ شکار کرتے ہیں برملا انھیں ٹٹیوں کی آڑ سے

مزاح نگار شعراء کا دوسرا دور غالبؔ سے شروع ہوتا ہے اور اس چمن میں غالبؔ ہی سب سے زیادہ حسین پھول کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں، غالبؔ کے مزاحیہ کلام میں نکتہ سنجی بھی ہے خوش طبعی بھی، رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں "اردو شعر و ادب ہی میں نہیں طنز و ظرافت کی محفل میں بھی غالبؔ اسی انداز سے داخل ہوتے ہیں جیسے فلمی گانوں کی محفل میں کوئی پکا گانے والا استاد داخل ہو جائے" اور یہ حقیقت ہے کہ اپنی مزاحیہ شاعری میں وہ منفرد ہیں، ماقبل شعراء کی طرح نہ تو ان میں بدسلیقگی ہے اور نہ پھوہڑ پن، نہ ہلکا پھلکا ٹھٹھول ہے اور نہ بھونڈا پن، ان کے ہلکے پھلکے زیر لب تبسم نے کبھی قہقہے کی شکل اختیار نہیں کی، ان کی شوخی ایک معنی خیز تبسم ہے۔

نمونہ کے لئے چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات — سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر
جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید — مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن — ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن
چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسد — آپ کی صورت بھی دیکھا چاہیئے
یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ — تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

طنز و ظرافت کی شمع غالبؔ سے اکبرؔ کے ہاتھ میں پہونچی ہے تو اس کی لو تیز تر ہو جاتی ہے، انہوں نے اس صنف میں غالبؔ سے زیادہ اونچا مقام حاصل کیا ہے، غالبؔ کے یہاں مزاح محض استہزائی ہے، وہ اعتقاد، تصوف اور اخلاقیات کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور دوسار کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے ہیں، اس کے برعکس اکبرؔ کی ظرافت تعمیری اور اصلاحی ہے، اپنے طنز کا نشتر وہ قوم سے خراب عناصر کو پاک کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، ان کا مزاح تخلیقی ہے جس کا ہدف سوسائٹی بنتی ہے، نمونہ کے اشعار ؎

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں ان کے منھ سے ٹھمریاں ہو کر

دھمکا کے بوسے لونگا رخ رشک ماہ کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے
تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور — ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں
حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انہیں — پردہ جو اٹھ گیا تو آخر نکل گئی وہ

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبرؔ نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

طفل میں بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی — دودھ تو ڈبہ کا ہے تعلیم ہے سرکار کی
شیخ کی محفل میں مے کا کام کیا — احتیاطاً کچھ منگالی جائے گی

اکبرؔ نے دراصل اپنی شاعری کی ابتدا اودھ پنچ سے کی، اودھ پنچ نے ان کے علاوہ مزاحیہ شعراء کی ایک پوری فوج تیار کی جن میں برقؔ، سرشار اور ہجرؔ وغیرہ کافی مشہور ہیں۔

مزاحیہ شاعری کے میدان کے اکبرؔ کے بعد سب سے بڑے شہسوار اقبالؔ ہیں، انکی شاعری اسلام اور فلسفۂ اسلام کی ترجمان ہے اس لئے ان تمام خرابیوں سے پاک ہے جس کا پہلے دور کے شعراء ہوئے، اسی وجہ سے اقبالؔ اور اکبرؔ کی مزاحیہ شاعری میں کافی یکسانیت بھی پائی جاتی ہے، چند اشعار نمونے کے ملاحظہ ہوں ؎

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی — قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ
اے مسلماں تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل — جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت — ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے — اسکو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام
مجھ کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی — گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

اقبالؔ کے بعد مزاحیہ شاعری میں جوشؔ کو بھی شمار کیا جاتا ہے، تقسیم کے بعد کے حالات اور سیاسیات پر ان کے کلام میں بہت لطیف طنز ملتا ہے، مگر جب ان کے مزاح کا ہدف شیخ و ملا ہوتا ہے تو ان کے کلام میں نفرت و حقارت کا رنگ جھلکنے لگتا ہے، حتی کہ بعض اوقات ادبی محاسن کی پروا بھی نہیں ہوتی۔ "ماتم آزادی" کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں ؎

چلنے لگی زباں پہ چھری انتقام کی — چھانٹی گئیں تمام جو لفظیں تھیں کام کی
رحماں ہی کی بات چلی اور نہ رام کی — گردن سے کھینچ لی گئی جو زباں تھی عوام کی
حیوان بوکھلا گئے منھ کھولنے لگے
انسان بولیاں وہ نئی بولنے لگے

مزاحیہ شعراء میں اقبالؔ اور جوشؔ کا تذکرہ ان کے چند مزاحیہ اشعار کی وجہ سے ضمناً آ گیا تھا، ورنہ خالص ظریف شعراء میں اکبرؔ کے بعد ظریفؔ لکھنوی کا نام آتا ہے، انہوں نے اپنی طنزیہ نظموں سے سماج کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے، اس کے کمزور پہلوؤں کو کچوکے لگائے ہیں۔ نظم مشاعرہ کے دو بند ملاحظہ ہوں ؎

بھائی مولی بکس جس بستی میں ہم آباد ہیں — اس جگہ شاعر بہت بڑھیا ہیں مادر زاد ہیں
ان محلوں میں سکھ بدلو ایک جگت استاد ہیں — ان کو ہر تک کے گر کچھیں منہ زبانی یاد ہیں
جس جگہ استاد نے دو تین گھبلیں جھاڑ دیں
شاعروں نے ہو کے شرمندہ بیاضیں پھاڑ دیں

یہ نمائش میں ابھی دلوائے گئے تھے پارسال — ایک حکائی غزل ایسی سنائی بے مثال
حاکم او تحصیل دار ایسے ہوئے شستہ نہال — دیدیا تمغا انھیں سونے کا جھٹ بے کیل و کال
اور جو شاعر نمائش میں گئے چھس ہو گئے
بس جگت استاد بدلو گول ٹلس ہو گئے

اکبرؔ کے بعد سے اب تک کی درمیانی مدت کے مزاحیہ شعراء کی شاعری ظرافت اور ہزل گوئی تک ہی محدود رہی ان میں ظریفؔ اور احمقؔ کافی شہرت یافتہ ہیں، نیم ظریف شعراء میں شوقؔ بہرائچی، بوم میرٹھی اور ہازل لکھنوی کافی مشہور ہیں۔

ظریفؔ کے بعد احمقؔ پھپھوندوی اپنے فن میں استادانہ حیثیت کے مالک ہیں، انکا دور جد و جہد آزادی کے عروج کا دور تھا، خود یہ بھی جنگ آزادی کے ایک سرگرم سپاہی تھے اسلئے ان کے اکثر اشعار میں سیاسی رنگ غالب ہے۔ ان کے طنز کا نشانہ عموماً انگریز تھا ہے نمونہ ملاحظہ ہو ؎

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن میں — کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں
جو ہے ارزاں تو ہے اپنی متاع آبرو ورنہ — ذرا سی چیز بھی بے حد گراں ہے اس زمانے میں
دل دیوانہ اپنا مبتلائے زلف پیچاں ہے — بہر صورت ہمارے جیل میں جانے کا ساماں ہے

دور آخر کے مزاحیہ شعراء کی فہرست کافی طویل ہے جن میں ماچس لکھنوی، راجہ مہدی علی خاں، فرقت کاکوروی، دلاور فگار، شہباز امروہوی کا نام کافی مشہور ہے، ان میں سے ہر ایک کا انداز جدا اور شاعری کا رنگ الگ الگ ہے، سید محمد جعفری کو آخری دور کے شعراء میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اقبالؔ کی پیروڈی کرتے ہوئے "وزیروں کی نماز" کا ایک بند ملاحظہ ہو ؎

عید اضحی کی نماز اور وہ انبوہ کثیر — جبکہ اللہ کے دربار میں تھے پاک وزیر
وہ مصلوں پہ مسلط تھے بجسن تقدیر — تھے "وزرد" ان کے مصلے پہ سادات کبیر
آج کل یہ ہے نماز اور کبھی وہ تھی نماز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

مہتروں کی ہڑتال کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں ؎

مہتروں کی آج کل ہڑتال ہے — کہتر و مہتر کا پتلا حال ہے
گردش دوراں نے تائب کر دیا — رفع حاجت بھی بڑا جنجال ہے
ضبط کی حد پر کھڑے ہیں شیخ جی — سانس کھینچے ہیں مگر منھ لال ہے
پیٹ پکڑے پھر رہے ہیں سیٹھ جی — جیسے دھوتی میں بہت سا مال ہے
آگیا رو کے سے رک سکتا نہیں
اپنا اپنا نامۂ اعمال ہے

کلرک سے متعلق ان کا مندرجہ ذیل مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ؎

جنت کو گرچہ ناز تھا اپنے مکین پر — تھا ان کی زندگی کا مدار ان دو ٹیم پر
ٹی اے وصول کرنے کو اترا زمین پر — لفظ کلرک لکھا تھا لوح جبین پر
ابلیس راستے میں ملا کچھ سکھا دیا
اترا فلک سے تھرڈ میں انٹر لکھا دیا

دور جدید کے دیگر ظریف شعراء کی تفصیل اس جگہ پیش کرنا ممکن نہیں۔

غزل

رحمت اللہ رحمت ناچنی

یقیں کی شمع جلاؤ بڑی اُداس ہے رات — حدیث شوق سناؤ بڑی اُداس ہے رات
فلک کی گود میں آشفتہ حال رہتے ہو — ستارو بزم میں آؤ بڑی اُداس ہے رات
جگر کے شعلوں سے کب تک جلیں گے اہل نظر — نقاب رخ سے ہٹاؤ بڑی اُداس ہے رات
نوید صبح کے احساں اٹھاؤ گے کب تک — سحر کو کھینچ کے لاؤ بڑی اُداس ہے رات
شفق کا نور افق کی نگاہ سے لیکر — نگار شب کو سجاؤ بڑی اُداس ہے رات
نہیں پسند ہے منت کشی جام و سبو — نظر نظر سے ملاؤ بڑی اُداس ہے رات
یہ شب پرستوں کے دھیمے چراغ رہنے دو — خود اپنی شمع جلاؤ بڑی اُداس ہے رات
دل و نگاہ کی شمعیں جلائے بیٹھے ہو — ترانۂ شوق سناؤ بڑی اُداس ہے رات
حکایت گل و بلبل اگرچہ ایک سہی — بدل بدل کے سناؤ بڑی اُداس ہے رات
کھنچے کھنچے سے رہو گے تو کیسے گزرے گی — کبھی کبھار تو آؤ بڑی اُداس ہے رات
نہ نیند آئے نہ دل کو قرار ہی آئے — بجھا بجھا کے جلاؤ بڑی اُداس ہے رات
سلجھ کے اور الجھ جائیں گے مسائل شب — دراز کو بانہہ لگاؤ بڑی اُداس ہے رات
بھڑک اٹھے نہ کہیں کانپتے چراغ کی لو — لہو جگر کا ملاؤ بڑی اُداس ہے رات
نئی شراب کہاں مستی دوام کہاں — شراب کہنہ پلاؤ بڑی اُداس ہے رات
ٹپک پڑے نہ کوئی اشک ان پرانے لئے — دیئے کی لو نہ گھٹاؤ بڑی اُداس ہے رات

اکیلے رحمت خستہ نہیں ہے محفل میں
رفیقو شمع بڑھاؤ بڑی اُداس ہے رات

نادر و کمیاب کتب

دیوان حافظ مترجم اردو مع قسم کا ترجمہ	۱۶/-	تفسیر طبری المجلد کامل عربی	۲۰/-
فیروز اللغات کلاں اردو	۴۵/-	روضۃ الصفا کامل [illegible]	۱۰۰/-
حجۃ اللہ البالغہ مترجم عربی مع اردو	۶۰/-	انتخاب زریں [illegible]	
تاریخ اسلام کامل مصنفہ اکبر شاہ خاں	۹۰/-	منتہی الادب فی لغات العرب [illegible]	
قصص الانبیاء کلاں اردو	۱۲/۵۰	فارسی زبان میں [illegible]	
انوار الاتقیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء	۲۰/-	دیوان جان صاحب [illegible]	
سیرۃ النبی کامل مصنفہ سید سلیمان ندوی	۱۳۰/-	خطبات مولانا محمد علی جوہر	۶/-

مونس بک ڈپو — بدایوں۔ یوپی

تاج ـــ اور ـــ جُرم

عربی سے تلخیص و ترجمہ: ——— محمد یونس خاں، متعلم ندوہ

تباہ مدگی کی اس کی نظر میں کوئی قیمت نہ تھی، اور گرد کی تمام اشیاء اداس مغموم ہوتیں اور ویرانی کو جنم دیتیں۔ "وہ جبلہ ابن ایہم غسان کا بادشاہ ہے" جو عربوں کے یہاں جزیرے کے مختلف علاقوں میں معروف تھا، اور عرب اُسے عزت و وقار کی نظر سے دیکھتے تھے اس کے دربار میں شعراء کی محفلیں ہوتی تھیں ——— مگر...... آج وہ کل کی مانند نہ تھا...... اس لئے کہ دنیا ایک حالت پر قائم نہیں رہتی — اور دنیا کے زبردست انقلاب نے...... اسلام کی آمد کے بعد...... جزیرے کے مشرق و مغرب شمال و جنوب کو بالکل بدل دیا تھا، نئی نئی قدروں نے جنم لے لیا تھا اور ایسی شجاعت ظہور پذیر ہوئی جو ان کے لئے نامانوس تھی ورنہ کیا وجہ تھی کہ غلاموں میں بھی ایسا شہسوار پیدا ہوا جو بلالؓ کے نام سے مشہور تھا اور نئی عمر کے جوانوں میں ایسا جوان بھی تھا جو فوجوں کی قیادت کرتا تھا...... اور وہ سارے عالم کے رُخ کو موڑ دیتے...... پھر اس بادشاہ ایہم کی حکومت کی کیا وقعت؟ ہر چیز ختم ہو چکی تھی۔ اور مسلمان حضرت عمرؓ کی قیادت میں قیصر و کسریٰ کی حکومت سے بے پرواہ میدان کارزار میں کود پڑے تھے، دنیا کی کسی طاقت کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے قدم جما سکے...... جبلہ ابن ایہم دل ہی دل میں اس بات کا معترف ہوا جا رہا تھا کہ جزیرۂ عرب میں اسلامی شجاعت کا تصور اس کے خیال کو مجروح کر رہا ہے، اور ایک حد تک خدا سے [illegible] لگا ہے اور بڑی حد تک یہ خیال اس کی فکر پر چھا گیا ہے...... اور اس کی رہنمائی یہاں روم کی [illegible] میں پست اور بے جان زندگی ہے باوجود مال و دولت اور ثروت [illegible] سوچ کے جبلہ کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ [illegible] راحت بخش رومی ماحول میں عنقریب اس کا دم گھٹ جائے گا...... وہاں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کے جذبات کو تسکین دے سکے اور اس میں کسی قسم کا جوش اور ولولہ پیدا کر سکے۔

(رات کا کچھ حصہ گزر چکا ہے۔ بادشاہ کی ملکہ اندر آتی ہے)

ملکہ: [illegible] مغموم ہوتے ہیں......؟

بادشاہ: [illegible] اس ماحول سے [illegible]

ملکہ: [illegible]

(قہقہہ...... [illegible])

ملکہ: [illegible]......!

بادشاہ: [illegible]

کیا تمہارا اس بات پر یقین نہیں ہے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے؟

ملکہ: اچھا جبلہ...... کیا اس بے حسی فکر کی کوئی حد بھی ہے؟

بادشاہ: جب تک دم میں دم ہے، یہ فکر ختم نہیں ہو سکتی......!!

ملکہ: آپ اپنے کو خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کئے ہوئے ہیں......!

بادشاہ: وہ کیونکر۔؟

ملکہ: آپ مختار ہیں، جس پر آپ کا ایمان ہے اسے اختیار کرنے میں آزاد ہیں....

بادشاہ: (ایک خوفناک چیخ کے ساتھ کہنا شروع کرتا ہے) آہ...... میں اختیار کر سکتا ہوں...... یہ ایک پریشان معاملہ ہے...... اور میں آزاد ہوں...... ہاں...... آزاد، لیکن ایسی بیڑیاں ہیں جو مجھے مفلوج کر ڈالتی ہیں ایسی پابندیاں جنہیں میرے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکتا میں نے نصرانیت کو اپنایا ہے، لیکن وہ میرے جی کو نہ لگی۔

پھر اس نے اپنی بیگم کے بازو پکڑے اور جھنجھوڑ کر کہنے لگا، "ہائے ذلت...... اگر میں اپنے پرانے دین سے کنارہ کش ہو جاؤں!!! لوگ میرے بارے میں کیا کیا کہیں گے؟ میں اچھی طرح جانتا ہوں، وہ کیا کہیں گے......

(جبلہ غلطی پر تھا...... وہ عقائد کے ساتھ اسی طرح جھکتا ہے جس طرح تیس باندیوں کے ساتھ...... یا پھر وہ حضرت عمرؓ کے جاہ و جلال کے آگے ہتھیار ڈال دے گا)

(اس کی بیوی آہستہ سے بڑبڑائی) "ٹھیک ہے جو آپ کو اچھا لگے وہی کیجئے۔"

گفتگو اب تک کسی نتیجے تک نہیں پہنچی تھی اور جبلہ اپنی دردناک حالت سے فرار چاہتا تھا وہ متمنی تھا کہ اپنی عقل کو سوچنے سے روک دے، وہ چاہتا تھا کہ بھول کا ایک دبیز پردہ ان واقعات پر ڈال دے، جو اس کے عیش کو مکدر بنا رہے تھے...... پھر اس نے ایک گلابی رات میں گانے بجانے اور ناچنے والیوں کو طلب کیا وہ مے نوشی کا خواہاں تھا اور عیش کا...... اپنے غموں کو جام و ساغر میں ڈبونا چاہتا تھا، اور پھر محفل کی رات تمام گانے والے اور [illegible] ختم ہو گئے، بادشاہ بے تکلفانہ [illegible]

...... رقاصہ...... ! آج تم ہمارے لئے گاؤ گی!! حسان بن ثابت کے ان قصائد میں جس کے ذریعے وہ اسلام لانے سے پہلے میری مدح کیا کرتے تھے...... اور پھر ایک مترنم آواز دلوں سے کھیلنے لگی، شیریں یادوں کو ابھارنے لگی سارنگی نے مختلف دھنوں سے ملی ایک دھن بجائی ساتھ ہی شراب کا خمار بھی تھا، محفل جھوم رہی تھی اور اپنے سَروں کو ہلا رہی تھی، اور نشیلی چیخیں بلند ہو رہی تھیں...... اور پھر جبلہ اتنی شدت سے چیخا کہ عجمی انداز میں سجے ہوئے بڑے بڑے ہال کے در و دیوار جس میں سونے کے قندیل لٹکے ہوئے تھے...... کانپ گئے۔

"سب چلے جاؤ میرے سامنے سے میں کسی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا"

فضا پر خاموشی چھا گئی، ملکہ نے جھک کر آہستہ سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟

بادشاہ: (قریب تھا کہ اشک رواں ہو جاتے) اس دوا میں شفا نہیں ہے۔!!!

پھر کون سی دوا چاہئے۔؟ ملکہ نے پوچھا۔

میں جلد ہی مدینہ جا کر عمرؓ سے ملوں گا

بادشاہ نے جواب دیا، اور پھر خاموشی چھا گئی۔

ملکہ: یا الٰہی یہ کیسے ممکن ہے! آپ تو اسلام کے آڑے آتے ہیں، آپ نے اس سے زبردست جنگ ہے، آپ کو اس کا خوف نہیں کہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے!...... ایک سرد آہ بھر کر بادشاہ کہتا ہے وہ کسی رد نہیں کرتے اور نہ ہی کسی مسلمان کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔

"تو کیا آپ اسلام لانا چاہتے ہیں؟"

"میری نخوت و خود داری جوش مار رہی ہے، لیکن حقیقت کا مقابلہ ضروری ہے...... اور حقیقت سے فرار مجھے مار ڈالے گا... میں...... غموں سے نڈھال ہو چکا ہوں۔"

غسانی بادشاہ بنی غم کی خبر مدینہ منورہ میں ایک پر وقار سواری پر سوار داخل ہوتا ہے، اس کے سر پر تاج ہے جس میں جڑے ہوئے ہیرے اور یاقوت دمک رہے ہیں اور اس کے دائیں بائیں پانچ سو سواروں کا ایک دستہ ہے سونے چاندی کے زرق برق لباس سے نگاہیں چوندھیا جاتی ہیں، مدینہ کے چھوٹے بڑے، مرد عورت بچے سب اس جلوس کو دیکھنے آئے ہیں، عظیم شہنشاہ کو نظر بھر کے دیکھ رہے ہیں اور اسکے شہسواروں کو بھی جو خز اور دیباج پہنے ہوئے ہیں...... اور جبلہ...... اپنی ہیبت و نخوت پر نازاں تھا، تاکہ تمام لوگوں کو یہ دکھا سکے کہ وہ مجبوراً نہیں آیا ہے اور نہ ہی اس نے ہتھیار ڈالے ہیں اور محض اپنے ذاتی ارادے کی بنا پر حلقہ بگوش اسلام ہونے آیا ہے

اور پھر اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ نے اُسے فریضۂ حج ادا کرنے کی دعوت دی، وہ طواف کر رہا تھا کہ...... اچانک ایک اعرابی کا پاؤں اس کی ازار میں اُلجھ گیا، بادشاہ آپے سے باہر ہو گیا اور اعرابی کو ایک زوردار تھپڑ رسید کیا، اور چلایا...... جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو

——— اعرابی امیر المومنین کے یہاں حاضر ہوا اور اپنی مظلومیت کی داستان سُنائی۔ حضرت عمرؓ نے فوراً جبلہ کو بُلا بھیجا،

عمرؓ: ہم سب کے سب شریعت کے روبرو برابر ہیں...... یہاں بادشاہ اور رعایا میں کوئی فرق نہیں، یا تو تم اعرابی کو اس بات پر راضی کرو کہ وہ تمہیں معاف کر دے ورنہ پھر اسے تھپڑ مارنے دو۔

بادشاہ: (جبلہ لاشعوری طور پر ہتھیلی پر پیشانی رکھ کر چیخا)...... کیا وہ مجھے مارے گا؟؟ ناممکن......

عمرؓ: یہی تو انصاف ہے۔

بادشاہ: مگر...... مگر لوگ میرے بارے میں کیا کہیں گے، جبلہ کو ایک اعرابی نے تھپڑ مارا۔؟

عمرؓ: جبلہ تم کون ہو۔؟

بادشاہ: ملک شام کا بادشاہ ہوں ـــ!

عمرؓ: لیکن تم بھی خدا کے بندوں میں سے ہو...... اور صرف اطاعت اور فرمانبرداری ہی تمہیں لوگوں میں ممتاز کر سکتی ہے۔

بادشاہ: اس کا مطلب...... آپ مجھے دین سے پھر جانے کو کہتے ہیں۔!!

عمرؓ: سب سے اہم فریضہ تو یہ ہے کہ خدا کا حکم نافذ ہو...... تمہارے لئے مہلت ہے، یا تو تم اسے راضی کر لو یا پھر فیصلے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

جبلہ افتاں و خیزاں اپنے آدمیوں کے پاس پہونچا...... قریب تھا کہ وہ پاگل ہو جاتا جو لوگوں کو کوڑوں سے مارتا تھا اور انھیں جیل بھیج دیتا تھا، انگلی کے ایک اشارے سے دشمنوں کی گردنیں اڑا دیتا تھا، اس کا حکم نافذ ہوتا اور فوج میں کھلبلی مچ جاتی، شہنشاہ روم کے یہاں چلا جاتا تو بڑے بڑے سردار اس کی عزت و توقیر میں کورنش بجا لاتے...... اور آج...... آہ...... ایک اعرابی حقیر اسے تھپڑ مارے گا! ہائے ابدی ذلت جو تاحیات باقی رہے گا ـــ!!

اس کے مصاحبوں ہی سے ایک نے کہا،

مصاحب: لیکن عمرؓ کو یہ ہمت کیسے ہوئی؟

بادشاہ: (جبلہ نے اپنے سر کو جنبش دی اور کہا) میں نے انھیں پہچان لیا ہے یہ آدمی ـــ بڑھکل [illegible] ہے۔

مصاحب: مگر بڑے لوگوں کے لئے اصول کہاں؟

بادشاہ: اصول ہی ایک ایسی صفت ہے جو انسان کو عظیم بنا دیتی ہے۔ اور اب میں سمجھا کہ عمرؓ کے پیچھے ہزاروں لوگ کیوں بھاگے جا رہے ہیں، امیر داروں کا ایک گروہ ہے، اور وہاں پھر امیر غریب کا فرق نہیں ہے، عمرؓ و بلالؓ سب برابر ہیں۔

مصاحب: میں تو سمجھتا ہوں کہ اعرابی نے اگر آپ کو معاف نہ کیا تو آپ قصاص بھی دے سکتے ہیں۔!!

بادشاہ: (جبلہ کا چہرہ تمتما اٹھا اور شدت جذبات سے چیخ کر کہا)...... ناممکن...... یہ میرا زمانہ نہیں ہے اور نہ ہی میرا اپنا گھر ہے، اور جبلہ بن ایہم...... ایسی جگہ پر کبھی نہیں رہے گا جہاں آقا اور غلام دربان اور بادشاہ میں کوئی فرق نہ ہو، میں روم کے جیل خانے کو اس بقاء پر ترجیح دیتا ہوں جہاں مجھے یہ کہا جائے کہ اعرابی نے جبلہ غریب کو تھپڑ مارا...... موت گوارا ہے مگر ذلت نہیں ـــ

جبلہ...... جب غم و اندوہ کے سمندر سے باہر نکلا تو تن کر کھڑا ہو گیا جلوہ و زینت کا تاج اس کی کشادہ پیشانی پر دمک رہا تھا...... کوچ کی تیاری کرو اس سے قبل کہ صبح ہمارا راز فاش کر دے ہم رات کی تاریکی کو چیرتے ہوئے نکل جائیں گے، اور تمہاری ایک جماعت دھوکہ دینے کے لئے رُکی رہیگی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم سے آن ملے گی...... ہم جس راستے سے آئے ہیں اسی سے واپس جائینگے، اور ہاں غیر ضروری سامان کم کر دو...... اگر اتفاق سے مسلمانوں نے آن گھیرا تو اپنے مردہ جسم ان کے حوالے کرنا ذکر زندہ...... ذلت سے بہتر موت ہے۔"

اس نے اپنا پسینہ خشک کیا اور پھر گویا ہوا...... شمال میں ٹھنڈی ہوائیں ہمارا استقبال کریں گی) ہم سرسبز و شاداب زمینوں کی طرف لوٹ کر جائیں گے...... غرور و نخوت جاہ و جلال رقص و سرود کی زندگی کی طرف! وہاں حکام جان لیں گے کہ جبلہ کون ہے...... اور جب تک میں زندہ ہوں سوائے تاج کے اور کوئی چیز میرے سر پر نہیں رہ سکتی، یہ جا سکتا ہے سر فیصلہ کے وقت جھکے...... !

(تیز رفتار گھوڑوں نے پہلی منزل تک پہونچ گئی) ملکہ نے غمزدہ ہو کر کہا کاش آپ وہاں نہ جاتے!!!

بادشاہ: ملکہ! میں شرمندہ نہیں ہوں۔

ملکہ: لیکن اب سب قصص، سعادت و آلام نے پیراں گھیرا ہے۔

بادشاہ: ہونا ہی چاہئے...... میں نے ایک نئی دنیا دیکھی ہے۔

ملکہ کیا اس کے غم اس کی خوشیوں سے زیادہ ہیں۔؟

(بادشاہ نے ایک ہذیانی قہقہہ لگایا اور گویا ہوا)

بادشاہ گروہ لوگ جس پر قائم ہیں بڑے خوش بخت ہیں، ان میں کا ہر ایک بادشاہ بنا رہتا ہے...... اس کے باوجود میری رائے یہ ہے کہ میں اس سے تال نہیں سکتا اور جبلہ دوسرے لوگوں کی مانند نہیں۔

وہ قہقہہ لگانے لگا اور سر کو ہتھیلی سے رگڑنے لگا "ذرا غور تو کرو...... عمرؓ خود ایسے ہیں جن کے لئے دنیا سرنگوں ہو چکی ہے۔ کسی پر یہ ظاہر نہیں ہو پاتا ہے کہ وہ ان میں سے الگ ہے۔ وہ کون سی طاقت ہے جس نے اس آدمی کو متواضع بنا دیا...... خیر چھوڑو بھی ان باتوں کو یہ تو مجھے تاقیامت پریشان کرتی رہیں گی......

دور ہاں ہمارے لئے اچھی گانے والیوں کو بلوایا جائے میں ساز و نغمہ سننا چاہتا ہوں، اور مے نوشی کروں گا، خوب پیوں گا...... حتیٰ کہ غم کے بادل چھٹ جائیں ـــ

پھر سرگوشی کے انداز میں اپنی ملکہ پر جھکا ـ اشک اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ ہمارا پرانا زمانہ لوٹ آئے گا"

"تعمیر حیات"
میں
اشتہار
دے کر
اپنی تجارت
کو
فروغ دیجئے

جذبۂ خیر خواہی اُمّتِ مُسلمہ کا امتیازی شعار

از: انوار احمد صدیقی (متعلم تعمیر حیات)

قرآن کریم میں جذبۂ خیر خواہی کا متعدد آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے اور اسی کی احادیث پر روشنی ڈالی گئی ہے، بلکہ بعض آیتوں میں اس سے اعراض کرنے والوں کو دین کا دشمن اور ایمان کا باغی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے "أرأیت الذی یکذب بالدین فذٰلک الذی یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین" غریبوں، یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ جذبۂ خیر خواہی کا مظاہرہ نہ کرنے والوں کو مکذبین بالدین میں شمار کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللّٰہ والیوم الآخر وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ الخ"

اسی میں رب کائنات نے حسنات کا انحصار جذبۂ خیر خواہی پر رکھا ہے نیز احادیث کریمہ میں سرور کائنات جناب رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جذبۂ خیر خواہی کا مظاہرہ کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی ہے۔ اور ان کا شمار اللہ کے نیک بندوں میں کیا گیا ہے

غرضیکہ اسلام کے نزدیک جذبۂ خیر خواہی کی بڑی اہمیت ہے ایک مومن اپنے ایمان میں اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں جذبۂ خیر خواہی پیدا نہ ہو۔ کوئی انسان اس وقت تک خدا کا مقرب بندہ نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ جذبۂ خیر خواہی کا پورا پورا مظاہرہ نہ کرے۔ خیر خواہی کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ہم چند محتاجوں کی مدد کر دیں یا چند فقیروں اور بھوکوں کو کھانا کھلا دیں یا ننگوں کو کپڑا پہنا دیں۔ خیر خواہی کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر ہمارے پاس کوئی مانگنے والا آئے تو ہم اس کی حاجت پوری کر دیں، بلاشبہ یہ بھی خیر خواہی ہے مگر اسلام کے نزدیک اس کا مفہوم بہت وسیع ہے

وہ زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے خلوت ہو جلوت ہو تنہائی ہو یا انجمن زندگی کے ہر شعبہ پر چھایا ہوا ہے۔

خیر خواہی یہ بھی ہے کہ اپنے بھائیوں کو فلاح و بہبود کی دعوت دیں، ان کی مشکلات اور مصیبتوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ ان کو عزت و سربلندی دینے اور ذلت و خواری سے نکالنے کے لئے جد و جہد کریں۔ خیر خواہی یہ بھی ہے کہ نیک مشورہ دیں اور وقت آ جائے تو ان کی عزت کے تحفظ کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دینے میں دریغ نہ کریں۔ وہ دنیا کے جس گوشے میں بھی رہتے ہوں ان کو دکھ کر ہم بے قرار ہو جائیں، ہمارا پورا وجود تڑپ جائے، ان کی خوشی ہماری خوشی ہو اور ان کا غم ہمارا غم ہو۔ ان کی شادمانی ہماری شادمانی ہے، ان کی مسرت ہماری مسرت ہے۔

آج جذبۂ خیر خواہی ہر مسلمان کے دل سے نکل چکا ہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ کسی کا بھائی ترقی کرے، وہ اپنی اقتصادی و معاشی زندگی بہتر کر سکیں ہو۔

آج اگر کوئی طاقت کسی بھائی کو مٹانا چاہتی ہے [illegible] تو دوسرا بھائی اس کی [illegible] ہے، [illegible] خیر خواہی ہے جس کی عظمت کا پرچم بلند کرنے کے لئے سرور کائنات [illegible] وسلم کبھی بازار طائف میں پتھر کھاتے اور کبھی مکہ کی گلیوں میں [illegible] جذبۂ خیر خواہی کی قوت کو برقرار رکھنے کے لئے [illegible] نظر آتے اور [illegible] آج بھی یہی جذبۂ خیر خواہی ہماری [illegible] کا ضامن ہو سکتی ہے [illegible]

نادر و کمیاب کتب

ملک کی زبان الموروی محاورات ہندوستانی ۔۔۔ ۹/۵۰	فصوص الحکم ترجمہ اردو از شیخ محی الدین ابن عربی ۔۔۔ ۱۵/-
قانون شیخ بو علی سینا مترجم اردو چار حصے کامل ۔۔۔ ۳۰/-	دیوان حافظ مترجم اردو مجلد [illegible]
طلسم ہوشربا [illegible]	فتح کا آٹو ایڈیشن ۔۔۔ ۱۶/۵۰
طلسم ہفت پیکر ۔۔۔ ۲۰/-	مراثی انیس جلد سوم میر انیس [illegible]
مراثی انیس جلد دوم میر انیس کا منتخب کلام بہترین ایڈیشن ۔۔۔ ۲۰/-	کلام بہترین ایڈیشن ۔۔۔ ۲۰/-

مونس بک ڈپو - بدایوں - یوپی

نعت

مجیب بستوی

معمور ہے دل عشقِ رسولِ عربی سے
کچھ خوف نہیں وسوسۂ بولہبی سے

میخانۂ وحدت سے جو ڈھلتا ہو شب و روز
اس جام کو نسبت ہے مری تشنہ لبی سے

اے ذوقِ طلب ہے درِ سرورِ عالم
آنا نہ کہیں پیش یہاں بے ادبی سے

ہاں میرے نبی پر ہی ہوئی ختمِ نبوت
افضل ہے کہاں کوئی نبی میرے نبی سے

مبعوث ہوئے آپ تو عالم ہوا روشن
کہدو کہ کہیں دور رہے تیرہ شبی سے

اے بادِ سحر جا کے مرے حال کو کہیے
اس پاک نبی ہاشمی و مطلبی سے

دربارِ محمدؐ میں نگوں ہے مجیب آج
قربان ہوں اُن پر مرے امی و ابی سے

غزل

قمر سنبھلی

ہر فاصلہ آپس کا مٹا کیوں نہیں دیتے
یہ ذہن کی دیوار بھی ڈھا کیوں نہیں دیتے

بے تابیٔ دل اپنی حدیں چھونے لگی ہے
اب فیصلہ آپ اپنا سُنا کیوں نہیں دیتے

کس شوق سے دیکھے ہے یہ مڑ مڑ کے صلیبیں
دیوانہ کو سُولی پہ چڑھا کیوں نہیں دیتے

میں آپ کی محفل کا پتہ پوچھوں تو مُجرم
ہاں آپ مجھے میرا پتہ کیوں نہیں دیتے

دل کو خلشِ دردِ وفا بخشنے والے
اب حوصلۂ ترکِ وفا کیوں نہیں دیتے

اے دوست کب تک یہ حدیثِ لب و رُخسار
افکار کو رُخ کوئی نیا کیوں نہیں دیتے

اک ایک کا کس یاس سے منہ دیکھ رہا ہے
بیمار کو دامن کی ہوا کیوں نہیں دیتے

مدھم ہوئی جاتی ہے احساس کی لو بھی
ہیں آپ کہاں مجھ کو صدا کیوں نہیں دیتے

اشکوں کو قمر جب کوئی دامن نہیں ملتا
پھر تم انھیں مٹی میں ملا کیوں نہیں دیتے

بقیہ صفحہ ۲ مولانا مدظلہ کی تقریر

یہ خدا کا پیدا کیا ہوا خدا کی قدرت سب سے بڑا نمونہ ہے، یہی تمہاری سب سے بڑی خدمت ہے کہ اس کی سیوا کرو، اس کے دل کو خوش کرو، جیسے تمہارے ماں باپ انسان ہیں یہ بھی انسان ہے، یہ بھی کسی کا اپ ہے، یہ بھی کسی کا بیٹا ہے، ہم نے کبھی بتایا کہ یہ پیسہ جو ناجائز طریقہ پر ہم لیتے ہیں پیسہ نہیں ہے یہ آگ کا انگارہ ہے، یہ خدا کے پیغمبروں نے بتایا اور آپ نے ایسی سوسائٹی پیدا کی کہ وہاں کے انسانوں نے اس کو انگارہ سمجھا انگارے سے بڑھ کر سمجھا جہاں ایسے واقعات پیش آئے کہ دنیا کے بادشاہوں کے تاج ان کے قدموں کے نیچے تھے اور وہ ان کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے، میاں پیٹ پر پتھر بندھے ہوتے تھے اور اگر وہ چاہتے تو اچھے اچھے پکوان پکا سکتے تھے اور بڑے جشن منا سکتے تھے لیکن نظر اٹھا کر بھی انہوں نے نہ دیکھا۔

ہمارے ملک میں انسان اور انسانیت کی پامالی اس حد تک پہونچ گئی ہے کہ اگر کوئی ضرورت مند کسی دفتر جاتا ہے تو اُسے غرض مند دیکھ کر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک شکار پھنس گیا۔ موٹا شکار ہاتھ آگیا۔ گویا انسان نہ ہوا کوئی چوپایا یا موذی جانور ہوا کہ جو پنجرے میں پھنس گیا ہو۔ بھائی یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارا ایک بھائی آیا ہے۔ اس کا کام ہمارے ذریعہ سے ہو جائے اور ہم اس کا دل خوش کر دیں۔ یہ ہماری سعادت ہے کہ ہمیں اپنے ہی بھائی اور اپنے جیسے ایک انسان کی خدمت کا موقع اللہ تعالیٰ نے نصیب کیا۔

یہ کیا ذہنیت ہے، یہ کیسی شقاوت ہے کہ بیچارہ ایک غرضمند ہمارے پاس آئے اور ہم یہ کہیں کہ ایک شکار پھنس گیا، اب اس سے خوب وصول کریں گے۔ اپنے خاندان کی کمی فرمائشوں کو پورا کرنا تھا، خوب موٹا شکار ہاتھ آیا ہے۔۔۔۔۔ تم نے اس کو یہ کیوں نہیں سمجھا کہ یہ اپنی ماں کا لاڈلا اور باپ کی آنکھ کا تارا ہے۔ یہ بیمار پڑتا تھا تو اس کی ماں آنکھوں میں رات کاٹ دیتی تھی، کیسی کیسی مصیبتیں اٹھا کر اس کو پالا گیا، کیا اس دن کے لئے اس کو پالا تھا کہ آپ اس کا خون چوسیں اور کیا اس کی یہی قیمت تھی کہ آپ اس سے چند پیسے وصول کریں۔؟

میرے بھائیو! اخلاقی پستی اور انسانی زوال کی اس آخری سرحد تک ہمارا ملک اور ہمارا سماج پہونچ چکا ہے لیکن کوئی منظم و موثر اصلاحی کوشش اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کوئی روشنی کی کرن نظر نہیں آتی ـــــ ہمارا یہ جلسہ، ہمارا یہ سفر اور ہماری یہ جد و جہد اس ملک کی وسعت اور اس کام کی اہمیت کے اعتبار سے قطعاً ناکافی ہے۔ مگر تحریکیں اسی طرح پروان چڑھتی ہیں، کارواں اسی طرح بنتے ہیں کہ بات ایک سے دوسرے تک پہونچے۔

الہ آباد سے ہم نے کام کا آغاز کیا ہے، اس شہر کا نام "الہ آباد" یعنی "خدا کی نگری" ہے۔ یہیں سے خدا پرستی کی تحریک اور انسانیت کے احترام کی دعوت شروع ہونا چاہئے۔ خدا (جس کے نام کا یہ شہر ہے) کے بندوں کی عزت اور انسانیت کی خدمت کے کام کا آغاز "خدا کی نگری" سے ہونا چاہئے تھا۔ ہمارا مقصد کسی نئی جماعت کی تشکیل نہیں بلکہ انسانیت کے بھولے ہوئے سبق کی یاد دہانی کی یہ جد و جہد ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ کام نہیں ہوا تو اس ملک کا مستقبل تاریک اور اس کی آزادی اور سلامتی بھی خطرہ میں ہے اور پھر اس کو کوئی منصوبہ بندی اور کوئی لیپا پوتی نہیں بچا سکے گی ـــــ!!

غزل

شکیل عباسی ندوی

جو حکم نمایاں ہے مثالِ مہ و خورشید
ہم اس میں اکابر کی بھی کرتے نہیں تقلید

ہے ختمِ رسالت کا وہ فیضانِ عمومی
عامی کبھی کر پاتا ہے عالم کی بھی تردید

آتی رہی ہوتی رہی حل غیب سے مشکل
ہر مرحلہ اظہار کہیں کی تھا تمہید

حاصل ہے جنھیں نسبتِ ایماں کی حقیقت
سولی پہ بھی کرتے نہیں طاغوت کی تائید

بڑھتا ہے ہر ایک ٹیلے سے لیتا ہوا ٹکر
جھکتا نہیں شاخوں کی طرح جذبۂ توحید

مفلس الیسی ہے اس دور کی سرتی تہذیب
کرتی ہے اثر اس پہ نہ ترغیب نہ تہدید

اظہارِ حقیقت میں نہیں کچھ بھی رعایت!
گھل جائے نہ نادانوں کو شکیل آپ کی تنقید

عنوان:

اب پورے ملک کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ بھی اس بدقسمت جہاز کی طرح ہو گیا ہے جو حادثہ کا شکار ہو گیا ہو اور جمع ہونے والا بے درد مجمع مسافروں کی بے بسی سے یہی فائدہ اُٹھا رہا ہو ـــ

اس صورتِ حال سے آپ اپنے دل میں نفرت کا کوئی جذبہ کیوں نہیں پاتے؟ ہماری قسمت اسی کشتی سے وابستہ ہے اگر خدانخواستہ یہ کشتی ڈوبی تو ہم ڈوبیں گے نہ عابد اور زاہد لوگ بچیں گے اور نہ بڑے عالم اور فاضل لوگ بچیں گے کشتی پر بیٹھے کا ٹکٹ سب کو دینا پڑے گا کشتی ڈوب گئی تو اس کی فکر نہ کرے گی کہ اس میں نیک اور پارسا لوگ ساحل پر اتر جائیں یا آسمان سے کوئی ایسی چیز اترے جو نیک لوگوں کو اچک لے جائے یہ انہونی باتیں ہیں عقل تجربے اور تاریخ کے خلاف ہے جب کشتی ڈوبے گی تو سب کو لے کر ڈوبے گی۔

[illegible]

قوم کے عظیم آزاد کرانا بھی ضروری تھا۔ جسم کے آزاد ہونے سے کام نہیں چلتا [illegible]

ہماری ایک بڑی بھول ہے کہ جب ظلم باہر کا آدمی کرتا ہے تو ہم اس کا نام ظلم رکھتے ہیں اور جب ہمارے اندر کا آدمی کرتا ہے یا ہم خود کرتے ہیں، تو اسکے بڑے خوشنما نام رکھتے ہیں اور ہم اسکو ظلم کہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

ہم ظلم کے عادی ہو گئے ہیں ہم کو ظلم کا شوق ہو گیا ہے [illegible]